

سپین :

## اردو کے سفرناموں کے آئینہ میں

ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

اندلس پر مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی اور اس سرزمین میں انہوں نے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی جو مقامی عناصر کو اپنے اندر سمونے کے باوجود اصل کے اعتبار سے اسلامی تھی اور جس پر عربی اثرات نمایاں تھے۔ اس منفرد تہذیب میں انسانی قدروں کو جو توقیر حاصل ہوئی اور علوم و فنون کو جو ترقی ملی وہ نہ صرف اندلس کے لئے بلکہ پورے یورپ کے لئے سرمایہ عزت و ذریعہ قوت ثابت ہوئی لیکن ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے المیہ کے وقوع پذیر ہوتے ہی ظلم و ستم کا ایک دور شروع ہو گیا۔ عیسائی حکمرانوں نے مذہبی تعصب کی بنا پر غیر عیسائی اقوام کو مٹانے کی پالیسی اختیار کی خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ۔ ان کا رویہ انتہائی ظالمانہ تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے زندہ رہنے کی شرط یہ رکھی کہ وہ عیسائی ہو جائیں دوسری صورت میں انہیں جان سے ہاتھ دھونا ہوں گے یا ملک سے نکل جانا ہوگا۔ اس معاملے میں عیسائی پادری نئے حکمرانوں کے موید اور معاون تھے۔ عیسائیت کی حفاظت اور اشاعت کے نام پر بے شمار مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور تیس لاکھ کے لگ بھگ مسلمانوں کو اندلس سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس طرح اس خطہ ارض پر ایک ایسی قوم کا جینا ناممکن بنا دیا گیا جس نے

اپنی محنت شاقہ اور ذوق لطیف سے اندلس کو تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا دیا تھا ، اس میں صنعت و حرفت، زراعت و تجارت کو لائق رشک فروغ بخشا تھا۔ اور علوم و فنون کی اشاعت و ترقی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا تھا۔ یہ مسلمانان اندلس کی مساعی تھیں جن کے نتیجے میں جدید یورپ کا وجود میں آنا ممکن ہوا۔ مشہور یورپی مورخ لین بول اندلس میں مسلم اقتدار کے خاتمے پر اظہار رنج و غم کرتے ہوئے لکھتا ہے :

„اھل اسپین اس وقت بالکل مبہوت تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی جلاوطنی سے بڑھ کر ان کو کسی بات کی خوشی نہ تھی۔ کوئی نقصان ان کے نزدیک اس سے زیادہ عجیب و غریب نہ تھا۔ کوئی واقعہ مدت تک اس سے زیادہ دلچسپ نہیں گزرا۔ انہوں نے قصائد لکھ کر اظہار مسرت کیا۔ پوپ ڈی ویگا نے اس واقعہ کو گیت کی طرح گایا۔ ویلز کوسز نے اس پر ایک مرصع یادگار لکھی۔ سرویتشس جیسا آزاد منش اور رحم دل شخص بھی ان پر جوش مناقب کی داد دینے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن افسوس! صد افسوس کسی کو اس بات کا خیال نہ آیا کہ مسلمان ملک سے جلا وطن نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے ایک مرغ زرین کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہ مسلمان جن کے ظلّ حمایت میں اسپین سینکڑوں برس تک سچی تہذیب اور شائستگی کا مرکز، جمیع علوم و فنون کا سرچشمہ رہ چکا تھا۔ جن کی بدولت اس کو صدیوں علمی کوثر اور کعبہ تہذیب بننے کا فخر رہا تھا۔ یورپ کی کوئی قوم اس جلیل القدر قوم کی ہمسری نہ کرسکی تھی۔ کوئی ملک مہذب اندلس کا ہم پلہ نہ ہو سکا تھا۔“ ... ” غرضیکہ جب مسیحی مسلمانوں کو جلاوطن کر کے ان کے نام و نشان تک مٹا چکے ، ملک ان سے پاک کر چکے تو

اسپین چاند کی طرح بقعہ نور معلوم ہوتا تھا لیکن بہت کم عرصہ کے لئے کیونکہ یہ روشنی خانہ زاد نہ تھی۔ بلکہ چاند کی روشنی کی طرح مستعار اور عطائے خورشید تھی۔ چنانچہ گرہن شروع ہو گیا جس کی تاریکی میں ملک اور قوم آج تک ملتبس چلی آتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی زندہ یادگاریں ابھی تک اسی آب و تاب سے موجود ہیں اور اندلس مرحوم پر نوحہ خوانی کر رہی ہیں، (مسلمان اندلس میں، ص ۳۵۵ - ۳۵۶)۔

اندلس میں تہذیب و تمدن کی ترقی کے سلسلے میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیل سے مشرقی اور مغربی مصنفین کی تواریخ بھری پڑی ہیں۔ متعدد تذکرے اور طبقات ان بلند پایہ شخصیتوں کے احوال زندگی کا مخزن ہیں۔ جنہوں نے علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں اپنی قابلیت و مہارت کا لوہا منوایا۔ یہ شخصیتیں اس زمانے میں پیدا ہوئیں جب گلستان اندلس پر بہار چھائی ہوئی تھی۔ لیکن پھر نفرت کی آگ نے اس کے سارے حسن کو بھسم کر دیا اور یہ مردم خیز خطہ عقیم ہو کر رہ گیا۔ اس کے تذکرے کتابوں کے اوراق میں محدود ہو گئے۔ مسلمانوں کی بنائی ہوئی عمارتیں شاہراہیں اور سیرگاہیں آثار قدیمہ میں شمار ہونے لگیں اور مسلمان سیاحوں کی نگاہ التفات کو ترسنے لگیں۔ اگر کوئی مسلمان سیاح ادھر گیا بھی تو اس نے سفر کے حالات لکھنے اور داغ ہائے سینہ کو نازہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یہی وجہ کہ عالم اسلام کی بڑی بڑی زبانوں میں لکھے گئے اندلس کے سفرناموں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے، ان زبانوں میں اردو بھی شامل ہے۔

اردو میں اسپین کے جو سفرنامے لکھے گئے ان میں قند مغربی (مطبوعہ جنوری ۱۸۹۸ء) کو زمانی اعتبار سے اولیت حاصل ہے جبکہ

آخری سفرنامہ „سورج کے ساتھ ساتھ“ (مطبوعہ ستمبر ۱۹۸۸ء) اس فہرست میں شامل ہوا۔ نوے سال کی طویل مدت میں سپین کے نو طویل اور مختصر سفرنامے معرض تحریر میں آئے ہیں، جن کا اجمالی تعارف ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے:

### (۱) سفرنامہ اندلس مسمیٰ بہ قند مغربی

نواب محمد عمر علی خان کا یہ سفرنامہ ان کے خلف الرشید نواب محمد حیدر علی خان والی ریاست باسودہ نے رمضان ۱۳۱۵ھ/ جنوری ۱۸۹۸ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع کیا۔ صاحب سفرنامہ سیر و سیاحت کے بہت شائق تھے۔ ان کا شوق سیاحت انہیں ہندوستان کے اندر اور دیگر ممالک میں کشاں کشاں لئے پھرتا رہا۔ انہوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں کی اس زمانے میں سیر کی تھی جب کہ ریل کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے عرب، یورپ، سیلون، برما اور چین وغیرہ کی سیاحت کی اور اس کی تفصیل اپنے سات سفرناموں میں پیش کی۔ ان کا آٹھواں سفرنامہ سیاحت اندلس کی روداد پر مشتمل ہے۔

سفرنامہ اندلس یا قند مغربی اگرچہ زیادہ مفصل اور معیار کے اعتبار سے کوئی وقیع سفرنامہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس کی ایک تاریخی اہمیت ہے۔ یہ نادر و نایاب سفرنامہ اردو میں لکھے گئے سپین کے سفرناموں میں قدیم ترین سفرنامہ ہے اس سے قبل اسپین کا اردو میں کوئی سفرنامہ ہمارے علم میں نہیں آیا۔ نہ صرف اردو زبان کے عہد بہ عہد ارتقا کئی تاریخ میں بلکہ صنف سفرنامہ کے مطالعہ میں بھی اس کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کا شمار اردو کے ان چند سفرناموں میں ہوتا ہے جو انیسویں صدی میں لکھے گئے۔ قند مغربی ایک ایسے سیاح کا کارنامہ ہے جسے کوئی یورپی

زبان نہیں آتی تھی ، اس کے باوجود وہ یورپ کے تقریباً ہر بڑے ملک کی سیاحت سے محظوظ ہوا اور سیاحت میں وہ نام پیدا کیا کہ جب حج کے موقع پر اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ملاقات کی تو انہوں نے اس کو ،، اے ہمارے جہانیاں جہاں گشت،، کہہ کر پکارا۔ ( ص : ۱۵ )

نواب محمد عمر علی خان نے اپنے آٹھویں سفر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے حصہ اول بمبئی سے اسپین تک اور حصہ دوم ملک مغارہ المراکو، تونس اور الجیریہ وغیرہ سے متعلق ہے۔

قند مغربی میں مصنف نے صرف اپنے سفر اندلس کا احوال رقم کیا ہے۔ وہ مئی ۱۸۹۳ء میں ریاست باسودہ سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے اور ،، پرشیاء ،، نامی جہاز پر سوار ہو کر عازم حج ہوئے۔ اس سفر کا کچھ حال انہوں نے نظم میں اور کچھ نثر میں بیان کیا ہے۔ نظم کا آغاز یوں ہوتا ہے :

مختصر ہے یہ التماس رئیس

نظم لکھتا ہوں جو بلفظ سلیس

بعد حمد خدا و نعت رسولؐ

عرض اتنی ہے پائر عز قبول

بیٹھے بیکار جی جو گھبرایا

یہ ہی میرے خیال میں آیا

نظم میں لکھوں اب کی حال سفر

نثر میں تو لکھا گیا اکثر

( ص : ۷ )

اگرچہ یہ نظم شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ نہیں لیکن اس کی بدولت اس قدیم سفرنامہ کو یہ خصوصیت ضرور حاصل ہو گئی ہے کہ

اس میں بعض تفصیلات سفر کو اشعار کی صورت میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ سفرناموں میں یہ روش نایاب ہے۔

حج کے بعد نواب صاحب نے سپین جانے کا عزم کیا لیکن وبا کی شدت اور قرنطینہ کی پابندی کی بنا پر آگے نہ جا سکے لہذا واپس وطن لوٹ گئے۔ چند ماہ بعد پھر عازم یورپ ہوئے۔ سویز سے گزر کر بحیرہ روم میں مختلف جزیروں کا نظارہ کرتے ہوئے ۳۰ نومبر ۱۸۹۳ء کو مارسیلز پہنچے اور وہاں سے سپین کی بندرگاہ بارسلونا کا رخ کیا۔ بارسلونا سے روانہ ہو کر انہوں نے ویلنٹیا، کارڈوبا، غرناطہ، ملاگہ اور میڈرڈ وغیرہ کی سیاحت کی۔

”قند مغربی“ میں سپین کی سیاحت کا حال تو نہایت اختصار سے لکھا گیا ہے ۱۵۶ صفحات کی کتاب میں صرف ۳۵ صفحات روداد سفر کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ البتہ تاریخ اندلس پر بہت توجہ دی گئی ہے۔ تقریباً ایک سو صفحات میں مصنف نے سپین کی قدیم تاریخ، مسلم دور اور عیسائیوں کے ہاتھوں سپین کی فتح وغیرہ کی تفصیل رقم کی ہے کیونکہ بقول مصنف :

”بہت لوگ ہیں جن کو واقعات کی خبر نہیں اس لئے راقم آثم سب سے پہلے واقعات تاریخی کو مجملأً ابوالفدا و تاریخ اندلس اردو، طبقات اندلس و تذکرۃ الکرام تاریخ عرب الاسلام وغیرہ وغیرہ سے واسطے ادراک حال اور سیاق کلام کے گزارش کرتا ہے۔“ (ص : ۲۳)

مآخذ کے اس مرعوب کن تذکرہ کے باوجود تاریخ نویسی کا انداز داستانی ہے۔

سپین کا رخ کرنے سے قبل نواب محمد علی خان کی زیادہ توجہ یورپ کے ممالک پر مرکوز رہی لیکن ان ممالک کی طرف جاتے آتے انہیں اسپین کے ساحلی مقامات کے مناظر دعوت نظارہ دیتے اور

طبقات اندلس کا مطالعہ بھی اس خطے کی سیر پر اکساتا۔ خصوصاً قرطبہ کی جامع مسجد کی زیارت کا شوق دل میں انگڑائیاں لیتا، اس لئے انہیں جونہی موقع ملا وہ سپین کی سیاحت پر نکل کھڑے ہوئے۔ صاحب سفرنامہ مسجد قرطبہ کو اپنے سفر سپین کی غایت اصلی اور مقصود کلی قرار دیتے ہیں۔ (ص: ۱۲۶)

نواب محمد عمر علی خان نے جامع مسجد کو کیسا پایا؟ اس سلسلے میں، سن لیا جو کچھ سنا اب چشم دیدہ دیکھئے، کے عنوان کے تحت انہوں نے یوں لکھا ہے:

„مسجد جو اب بطور کنیسہ کے ہے بھی اس دنیا کے عجائبات سے ہے۔ اس کو عبدالرحمن نے کہ جس کو قرطبہ میں سکنتہ عبدالرحمن کہتے ہیں اپنے عہد خلافت میں بنایا تھا اور ترمیم اس کی بعض خلفا کے وقت میں بھی ہوئی طول اس کا سات سو چالیس قدم ہے اور عرض اس کا چار سو چالیس قدم ہے اور ستون آٹھ سو پچاس اور کنیسہ کے ستون ڈیڑھ سو جملہ ایک ہزار ہوئے۔ طول کی محرابیں چالیس اور عرض کی بیس۔ ہر ہر دو ستونوں پر محراب واقع ہے جو طرف مسجد کو قائم رکھتی ہے۔ بیچ میں کنیسہ بنایا ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے دس دروازے ہیں۔ دو بڑے خارج مسجد حرم کے اور آٹھ چھوٹے بنا مسجد کے ایک چبوترے پر واقع ہے جو زمین سے قریب دو ہاتھ کے یا کم و بیش نشیب و فراز کے واقع ہوا ہے۔ چاروں طرف کی دیوار بہت بلند ہے اور باہر کی طرف محرابیں دیوار میں بنائی ہیں اور چاروں طرف سڑک ہے شاید دریا کی طرف عبدالرحمن کے محل سے کسی زمانہ میں ملحق تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنی مسجد کے خلوہ میں جو بطور تسیح خانہ کے بنایا تھا آیا جایا کرتا تھا۔ اب ٹوٹ کر محل علیحدہ اور مسجد علیحدہ ہو گئی اور

اس کے محل کے گوشہ سکنتہ میں وقت فتح کا یادگار بنایا ہے جس کا مخصمہ جرنیل فاتح ہے جس کا نقشہ درج کتاب ہذا ہے۔ الغرض حرم مسجد کے دو قطعہ ہیں پہلے بطور کافی دیوار میں دو دروازے عالیشان ہیں جو بلند دروازہ ہے سیدھی جانب کو مینارہ عالیشان اذان کا کٹی منزلہ ہے اب اوپر کی گمزی میں چار گھنٹے آویزاں ہیں اندر صحن وسیع میں نارنگیوں کا باغ ہے اوس میں فوارہ جاری ہے تین خلوہ ہیں اور اوسمیں اندر پہلو بنائی ہیں اس صفائی سے کہ عقل کام نہیں کرتی اور اسپطرح کا کچھ۔ کام محراب میں ہے ۔۔ (ص : ۱۳۹ - ۱۳۰)

اس اقتباس سے مصنف کی زبان اور انداز بیان کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ نواب محمد عمر علی خان نے کتاب کے آخر میں اپنی سیاحتوں کی روداد پر مشتمل تصانیف کی تفصیل لکھی ہے ، ہندی ، فرانسیسی ، اسپانوی، انگلش اور عربی کے روز مرہ الفاظ کے مترادفات کی فہرست درج کی ہے اور ایک نظم میں مسلمانوں کے عہد میں ہسپانیہ کی ہمہ جہتی ترقی کا ذکر کرنے کے ساتھ۔ مسلمانوں کے زوال پر رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

(۲) سفرنامہ اندلس

میر دبیر قاضی ولی محمد سیکرٹری روبکاری خاص فرمانروائے ریاست بھوپال و سیکرٹری اسٹیٹ کونسل دار الاقبال بھوپال نے ۱۹۲۳ء میں ،،سفرنامہ اندلس ،، تصنیف کیا جو جولائی ۱۹۲۴ء میں نامی پریس لکھنؤ میں طبع ہوا۔ یہ سفرنامہ نایاب ہے۔ راقم الحروف نے طالب علمی کے زمانے میں اس کا ایک نسخہ اسلامیہ ہائی سکول مری روڈ راولپنڈی کی لائبریری میں دیکھا تھا اور بعض مقامات سے اقتباسات بھی نقل کئے تھے جو دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اب

مذکورہ سکول کی لائبریری میں جا کر اس نسخہ کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بعد از تلاش بسیار اس کا ایک نسخہ لاہور کی ایک لائبریری سے دستیاب ہوا۔ جس کی مدد سے یہ تعارفی نوٹ لکھا جا رہا ہے۔

قاضی ولی محمد کو مسلم تاریخ سے خاصی دلچسپی تھی، انہوں نے اندلس، مغرب اقصیٰ، مصر، خلفائے دمشق کی تاریخ پر کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کے لئے ضروری لوازمہ فراہم کرنے کے لئے انہوں نے سیر و سیاحت کا شغل اختیار کیا۔، سفرنامہ اندلس، بھی دراصل تاریخ اندلس کی تیاری کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ وہ اپنے اس سفرنامہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں :

،،میں نے ۱۹۲۳ء کا سفر یورپ بحض اندلس کی صحرا نوردی کے لئے کیا تھا۔ اور حتی الامکان جزیرہ نما کے ایک بڑے حصہ میں پھر کر اپنی تاریخ اندلس کے لئے تھوڑی بہت معلومات بہم پہونچائی۔ تیسرے سفر یورپ میں جنوبی فرانس اطالیہ و سوئٹزرلینڈ کے بعض مقامات کو دیکھ سکا۔ ان اوراق میں سیر و تماشہ، گھوڑ دوڑ، قمار خانہ، مجالس رقص و سرود کے واقعات کم دکھائی دیں گے۔ تجارتی گرم بازاری اور ایجادات و اختراعات کی موشگافی میرے دائرہ تحقیق سے باہر ہیں۔ سیاسی جدوجہد اور کشمکش حیات کی تنقید سے تو میں نے ستیاگرہ کر رکھا ہے۔ یہ اوراق پریشاں سامان دلکشی سے معرا ہیں۔ تجارت کی گرم بازاری، مجالس کی دلفریبی، رقص و سرود کی بزم آرائیاں دیکھنا مقصود ہو تو فرانس و لندن کے سفرنامہ کو دیکھو۔ اندلس میں راقم الحروف نے سب سے جداگانہ راستہ اختیار کیا ہے جو بجائے تھیٹر، باغات، محلات، بازارات میلہ مناظر تفریح کے ہمیشہ پورا نے کھنڈروں کی طرف جا نکلا ہے۔ ہر شہر کے شکستہ و ریختہ آثار اسلامی کا ہلکا سا نقشہ ناظرین کے سامنے پیش

کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض مشہور سلاطین کے شجرہ کہیں کہیں لکھدیے گئے ہیں۔ ہر شہر کے غیر اسلامی دلچسپ مقامات کے نام بھی درج کر دینے ہیں تاکہ اگر کوئی سیاح ادھر جا نکلے تو ان کی سیر بھی کر سکے۔ اندیشہ ہے کہ یہ ملفوبہ نفاست پسند طبائع کو کہیں ناپسند نہو۔ لیکن حقیقتاً یہ اجزا صرف ان بزرگان قوم کے لئے لکھے گئے ہیں جن کے دل مسلمانان اندلس کے غم میں کبھی کبھی سوگوار ہو جاتے ہیں اور جن کا زخم جگر مسلمانوں کی داستان خونچکاں سنکر لہو دینے لگتا ہے۔ وہی اس قصہ پارینہ کو دیکھیں گے اور ان کی ذات سے توقع ہے کہ ترتیب کتاب میں جو جدت اختیار کی گئی ہے وہ غالباً ناپسند نہ کریں گے۔ بقول صائب :

ہر سرے دارد درین بازار سودائے دگر

ہر کسے بندد بہ آئین دگر دستار را

ان اجزا میں ہسپانیہ کے تجارتی، تمدنی، سیاسی حالات نہ ملیں گے۔ کیونکہ میں نے یہ سفر محض „تاریخ اندلس“ کے لئے جس کی ترتیب میں ۲-۵ سال سے مصروف ہوں کیا تھا۔ اور جہاں کہیں گیا اسی ایک خیال ایک جستجو ایک تلاش کو لئے کر گیا۔ اس لئے اس کتاب میں بجز مرثیہ قومی کے اور کچھ نہ دکھائی دے گا۔ دلچسپ مقامات کی سیر کے لئے کافی فرصت اور اطمینان کی ضرورت تھی۔ ایک ملازم پیشہ غریب الدیار ناواقف سیاح چار ماہ کی قلیل مدت میں اس سے زائد اور کیا کر سکتا تھا۔

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں

یا معدن [و] کوہ و دشت [و] دریا دیکھوں

ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے

حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(ص : ۳۰۲)

مستنصر حسین تارڑ نے قاضی صاحب کا تعارف کراتیے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے کہ وہ بڑے نازک مزاج، نفاست پسند بزرگ تھے ، سرکار برطانیہ کے مدح خواں اور دعاگو ، ان کا انداز بیان بہت شگفتہ ہے ، قدم قدم پر تاریخی معلومات ان کا ساتھ دیتی ہیں ، ان کے سفرنامے میں ہسپانیہ کے شہروں، دریاؤں ، مچھلیوں ، پھولوں ، زراعت ، موسموں ، ریل ، گداگروں ، خانقاہوں اور قمارخانوں سے لے کر چوپایوں اور موذی جانوروں تک کا ذکر ملتا ہے ۔ (اندلس میں اجنبی ، ص ۲۹)

قاضی ولی محمد صرف سیاح ہی نہیں مورخ اور ادیب بھی ہیں اس لئے ان کا سفرنامہ ان کی وسیع تاریخی معلومات اور ذوق ادب کا آئینہ دار ہے۔ وہ مختلف مورخین کی تصانیف سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ موقع و محل کے مطابق اشعار کو بھی بروئے کار لاتے ہیں۔ سپین کے اردو سفرناموں میں یہ پہلا سفرنامہ ہے۔ جس میں مصنف نے علامہ اقبال اور مولانا حالی کے بعض اشعار بھی درج کئے ہیں۔ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا نقش ان کے دل و و دماغ پر ثبت ہے اور اس کے اظہار کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ جب وہ مسلم آثار کا تعارف کراتے ہیں تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے جسے وہ پرشکوہ اسلوب بیان سے قاری پر بھی طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جامع قرطبہ کی زیارت کا نقشہ ان الفاظ میں کہینچتے ہیں :

”جب مسجد کی میلی کائیدار دیوار دیکھی تو تعجب ہوا کہ اس مسجد کی تعریف میں المقری نے ایک کتاب کی کتاب کیوں لکھی۔ ماری۔ اس کی بھدی موٹی بدنما دیواروں سے تو جامع مسجد دہلی کی دیواریں ہزار درجہ شاندار و خوشنما ہیں۔ اس خیال کو لے کر

میں چور دروازہ سے اندر داخل ہوا۔ لیکن کہہ نہیں سکتا کہ اندر پہنچ کر میری کیا حالت ہو گئی۔ قلب ساکت ہو گیا۔ دماغ بے حس ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور اگر ایک ستون کا سہارا نہ لٹر ہوتا تو یقیناً لڑکھڑا گیا ہوتا۔ آخر ایک دو منٹ بعد جب ہوش و حواس ٹھکانے ہوئے تو کہنے لگا کہ یہ سحر ہے یا دھوکہ ہے۔ مسجد ہے یا طلسم ہے۔ میں قرطبہ کے خانہ خدا میں ہوں یا الہ دین کے چراغ طلسمی کے اثر میں ہوں۔ مصرع

آنچه می بینم بہ بیدارست یارب یا بخواب

کا مصرع زمانہ طالب علمی سے ازبر تھا لیکن اس کی صحیح تفسیر آج اس جامع اموی میں دیکھنے میں آئی۔ اس کے نقش و نگار اس کے مصنفے و مجلے ستون اس کی دو منزلہ محراب اسکا صدر دروازہ اس کی جالیدار کھڑکیاں اسکی منبت کاری و آرائش، اسکی ضیاء نورانی، اس کی نقش کوفی، غرضیکہ ع

کرشمہ دامن دل میکشد جا اینہا (کذا) ست

ایک لق و دق مسقف میدان میں ہزارہا مصنفے ستون کا باغ سامنے کھڑا تھا جس کی صفائی اور جلا خدا جانے کتنے متبرک ہاتھوں نے کی ہوگی، ہر ستون بہت ہی سبک اور غالباً دہلی کے آہنی لاث پتھورا سے زیادہ موٹا نہوگا۔ صفائی کا یہ عالم تھا کہ اپنا عکس ہر ستون میں دیکھ لو۔ محراب پر سرخ و سفید پتھر کی ڈاٹ ہے۔ تاج اور پایہ بیل بوٹہ سے آراستہ ہیں۔ اجارہ معمولی ہے لیکن کارنس کا حاشیہ اسقدر دیدہ زیب ہے کہ دہلی کا دیوان خاص اسپر تصدق کر دیا جاوے تو اسکی مٹی ٹھکانے لگ جائے۔ میں نے قبة الصخریٰ کے علاوہ اور کسی مسجد کی یہ آرائش نہیں دیکھی۔ اگرچہ مقابلہ نازیبا ہے لیکن میری آنکھوں کے سامنے کلیسہ ہائر وینس وفلارنس کی

بھی وقعت نہیں۔ ہندوستان درکنار مصر و شام و فلسطین و قسطنطنیہ کی جسقدر مساجد میں نے دیکھیں انمیں سے کوئی بھی اسکی ٹکر کی نہیں ہے۔ قلعہ دہلی میں ”باب العدل“ نامی ایک مجلی گولمیر کو میں عجوبہ روزگار سمجھے ہوئے تھا لیکن یہاں تو متعدد کھڑکیوں پر ویسے ہی مجلے و مصقے سنگ مرمر کی گولمیر لگے ہوئے ہیں جن میں سے انسان کا عکس آریار صاف دکھائی دیتا ہے۔ لیکن عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے جب مزور کلیسا ایک پرانی وضع کی مہتاب کافوری روشن کر کے منبر و محراب الحکم کو دکھلاتا ہے۔ اللہ اللہ جن لوگوں نے یہ منبر بنایا وہ اگر ملیں تو میں ان کے ہاتھ چوموں۔ کسقدر صناعی اور چابکدستی کی گنتی ہے کہ زبان پر احسنت و مرحبا جاری ہے۔ یوں تو تمام ایوان گنگا جمنی کام سے جگمگا رہا ہے لیکن محراب امام واقعی مہبط اجلال معلوم ہوتی ہے اور منبر الحکم تو سرتاج معبد ہے۔ محراب شمع کی روشنی میں جواہر خانہ معلوم ہوتی تھی جس کی تڑپ آنکھوں کو چکا چوند کر رہی تھی۔ کبھی کہتا تھا کہ پھول سب سے زیادہ آبدار ہیں لیکن حاشیہ دیکھ کر معاً رائے پلٹ جاتی تھی کہ پھول سے زیادہ منور تو حاشیہ ہے پھر خط کوفی کی جدول اپنی طرف متوجہ کر کے کہتی تھی کہ بہترین صنعت دیکھنا ہو تو مجھ کو دیکھو۔ اجارہ لاجواب، قلب لاثانی اور چہت بے نظیر۔ غرضیکہ میں مبہوت تھا اور اسقدر کھویا ہوا تھا کہ مہتمم صاحب کی ثنا خوانی بھی نہ سن سکا۔ خدا جانے وہ کیا کہہ رہے تھے۔ میرا دل کہیں تھا، دماغ کہیں تھا۔ آنکھیں کہیں تھیں۔ جسم بے حس و حرکت تھا اور غالباً مجھ میں اور بت میں اسوقت کوئی فرق نہ تھا۔ آخر جب شمع گل ہو گئی تو یہ طلسمی اثر دور ہوا۔۔۔ (ص : ۸۰-۸۱)

قاضی صاحب نے مسجد قرطبہ میں امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے مصحف کی موجودگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

،، اسی متبرک مقام میں وہ کلام مجید رکھا ہوا تھا - جس کی تلاوت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وقت شہادت کر رہے تھے اور جسپر آپ کے خون کے قطرے پڑے ہوئے تھے - کلام مجید کے لئے عود کی مرصع رحل طیار کرائی گئی تھی - چار نمازی آدمی اس کے اٹھانے پر مامور تھے اور ایک پہرہ حفاظت کے لئے مامور تھا - (ص : ۱۱۳)

اس اطلاع کی تصدیق کسی معتبر ذریعے سے نہیں ہو سکی - امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف مختلف دیار و امصار میں ارسال کئے تھے مختلف روایات کی رو سے ان کی تعداد سات تھی ان میں سے صرف تین مصحف محفوظ ہیں - ایک تاشقند (روس) میں دوسرا استنبول (ترکی) اور تیسرا انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں (خطبات بہاولپور، ص: ۲۶) ممکن ہے کہ کوئی مصحف کسی طرح اندلس میں بھی پہنچا ہو لیکن تحقیقی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے -

مسجد قرطبہ میں جو عمارتی لکڑی استعمال کی گئی تھی اس کی پائیداری کے حوالے سے مصنف نے مسلمانوں کی صنعتی ترقی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

مسجد میں جسقدر لکڑی لگی ہے وہ سب صحرائے قرطبہ سے جمع کی گئی تھی اور اسکو مصالحہ لگا کر اسقدر مضبوط و مستحکم کر دیا تھا کہ کامل بارہ صدیاں گزرنے پر بھی نہ کہیں گھن لگا ہے اور نہ کہیں خم آیا ہے البتہ بعض تختہ جو میرے زمانہ سیاحت میں المنصور کے حصہ کی طرف پڑے ہوئے تھے انکی لکڑی بھس بھسی ہو گئی تھی اور میں نے جسوقت ایک ٹکڑہ ہاتھ سے توڑا تو یہ

آسانی ٹوٹ گیا۔ ممکن ہے کہ یہ ٹکڑہ نصاریٰ کے عہد کا ہو کیونکہ بعد اخراج مسلمانان اسکی بیشتر لکڑی نصارے نے نکالکر فروخت کر ڈالی تھی اور ستار سازنگی کے ڈھانچہ بنوائے گئے۔ (ص : ۱۱۳)۔

قاضی ولی محمد بعض اوقات تاریخی واقعات کا تحقیقی جائزہ بھی لیتے ہیں اور مدت دراز سے لوگوں میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ مثلاً، وادی برباط، کے زیر عنوان بیان کرتے ہیں کہ طارق اور لذریک (راڈرک) کے درمیان جو فیصلہ کن معرکہ ہوا تھا وہ جھیل لاجنڈا (البحیرہ) کے قریب رود برباط کے ساحل پر ہوا تھا نہ کہ وادی لد (لت) پر جیسا کہ بعض تاریخی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ (ص : ۲۳) اس طرح انہوں نے قصر الحمرا کے ایوان بنی سراج کے بارے میں اس روایت کی تردید کی ہے کہ اس کے حوض میں جو چند دھبے سرخ رنگ کے دکھائی دیتے ہیں وہ بنی سراج کے ان تیس سرداروں کے خون کے باقی ماندہ دھبے ہیں جن کو ابو عبد اللہ نے قتل کروا دیا تھا۔ (ص : ۲۳۱)

مسلمانوں کے تمدنی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے قاضی ولی محمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں،، [یورپ کے دیگر ممالک کے باشندوں کے برعکس] اسپین میں البتہ مسلمانوں کے ہشت صد سالہ اختلاط کے باعث مہمان نوازی کی عادت ابھی تک باقی ہے اور خواہ تم سے اسپینی نے بات چیت بھی نہ کی ہو لیکن جس وقت وہ اپنے کاغذی ڈبہ یا رومال سے ناشتہ کھو لیگا تو ضرور یوجھے گا کہ ماحضر تناول فرمائیے۔ جسکے جواب میں دوسرا جواب دے گا شکر یہ آپ سیر ہوں،، (ص : ۱۰)

قاضی صاحب کا یہ بیان پڑھ کر علامہ قابل کی مشہور نظم،، مسجد قرطبہ،، کا یہ شعر بے اختیار یاد آ جاتا ہے جس میں انہوں نے

سپین کے باشندوں پر عرب مسلمانوں کے خوش گوار تہذیبی و مجلسی اثرات کا ذکر کیا ہے :

جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہندلی

خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبین

(کلیات اقبال اردو، ص : ۳۹۰)

فاضل مصنف نے سپین کی معاشرتی زندگی پر مسلمانوں کے

اثرات کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان کیا ہے :

،،اتفاق سے میں جمعرات کے دن بازار کانتی توسیان میں چکر لگا

رہا تھا کہ ایک مجمع کے قریب سے گذر ہوا۔ میرے رہبر نے بتلایا کہ

یہ مجمع اسلامی عدل گستری کی تقلید میں اب تک زمانہ دراز سے

چلا آ رہا ہے۔ اسلامی نام سنتے ہی میں فوراً رکا، دیکھا کہ سڑک کے

ایک جانب پٹری کا ایک حصہ آہنی جنگلہ سے محصور کر کے اسمیں

آہنی کرسیاں بچھالی گئی ہیں۔ جن پر چند اصحاب متمکن ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ لوگ پنچ ہیں اور مجلس کا نام ،،پنچایت آبیانہ ہے۔

آبیانہ کی محصول و شکایات و انتظامات کے متعلق یہ پنچایت ہر

جمعرات کو منعقد ہوتی ہے کیونکہ عہد اسلام میں یہ مجلس پنجشنبہ

ہی کو ہوتی تھی۔ اور اسی رسم و رواج کے مطابق تمام کاروائی

زبانی ہوتی ہے۔ فریقین اپنے اپنے عذرات بالمشافہ بیان کرتے ہیں جن

کو سنکر پنچایت سے اسبوقت زبانی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے

کہ میرا پانی فلاں کاشتکار نے روک لیا۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر

محصول بہت زیادہ قائم کیا گیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ گرداور نے میرا

قلاہ بند کر دیا۔ پنچان عدالت اسی وقت زبانی تحقیقات کر کے

فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ اگر کسی پر جرمانہ ہوا تو اسبوقت نقد جرمانہ

داخل کرنا ہوتا ہے۔ جس کی کوئی رسید پنچایت سے نہیں دیجاتی۔

اگر کسی فریق کو ہرجانہ دلایا جاتا ہے تو بلا اخذ رسید اس وقت دلوں دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس وقت جملہ معاملات اس عجلت و آسانی سے طے ہو جاتے ہیں کہ دیگر متمدن و قانون دان ممالک میں ویسے ہی مقدمات ۶ - ۶ ماہ تک فیصل نہیں ہوتے۔ گو اسلامی حکومت ۱۲۳۰ء میں اٹھ گئی جبکہ آخر ماہ ستمبر میں القلعہ کی برج علی پر علم تلیث نصب ہو گیا تھا۔ لیکن یہ اسلامی عدالت آج تک قائم ہے۔ - (ص ۱۹۸ - ۱۹۹)

،،سفرنامہ اندلس،، میں صرف واقعات و مشاہدات ہی کا بیان نہیں، مختلف مسلمان حکمران خاندانوں کے شجروں اور عمارتوں وغیرہ کی تصاویر اور مسکوکات کے نقشے بھی دیئے گئے ہیں۔

### (۳) علامہ اقبال کا سفر اندلس

علامہ اقبال نے ۱۹۳۳ء میں سپین کا سفر کیا۔ انہوں نے اگرچہ کوئی باقاعدہ سفرنامہ نہیں لکھا لیکن ان کے خطوط، بیانات، تقاریر اور ملفوظات وغیرہ میں اس سفر کی تفصیل بکھری پڑی تھی جس کو ترتیب دے کر راقم الحروف نے ،،تیسری گول میز کانفرنس اور اقبال،، کے عنوان سے ایک مقالہ کی صورت میں ترتیب دیا۔ جو سہ ماہی مجلہ ،،اقبال ریویو،، لاہور، جولائی - اکتوبر ۱۹۷۷ء (ص : ۷۹) - ۱۲۵) میں شائع ہوا تھا۔ اس مقالہ کے متعلقہ حصے کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے تو یہ ارادہ کر چکے تھے کہ کانفرنس سے فراغت پا کر سپین جائیں گے۔ حسن اتفاق سے لندن میں انہیں سپین جا کر لیکچر دینے کی دعوت ملی چونکہ اس سفر کا ارادہ وہ پہلے ہی کر چکے تھے اس لئے انہوں نے بڑے شوق سے دعوت قبول کر لی۔ جنوری کے آغاز میں

انہوں نے سپین کے لئے رخت سفر باندھا، ایک انگریز لڑکی بطور سیکرٹری ان کے ہمراہ تھی جسے اہل سپین نے غلطی سے ان کی صاحبزادی سمجھا۔ اقبال کے کسی خط یا یادداشت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کس تاریخ کو وہاں پہنچے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ۵ یا ۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو میڈرڈ پہنچے ہوں گے۔ میڈرڈ میں انہوں نے سپین کی بعض اہم شخصیتوں سے ملاقات کی جن میں وہاں کے وزیر تعلیم اور پروفیسر آسن (Asin Palacio) شامل تھے۔ پروفیسر آسن کو عرب تہذیب سے خاص دلچسپی تھی اور انہوں نے مشہور اطالوی شاعر دانترے کی کتاب „ڈیوانن کامیڈی“ کے حوالے سے لکھی گئی کتاب *„Islam and Divine Comedy“* کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ اسی شام میڈرڈ یونیورسٹی کی فلسفہ و ادب کی فیکلٹی کے زیر اہتمام اور پروفیسر آسن کی زیر صدارت ایک علمی مجلس منعقد ہوئی جس میں اقبال کو بطور مہمان مقرر مدعو کیا گیا۔ صدر مجلس نے علامہ اقبال کا پرجوش انداز میں خیر مقدم کیا اور اقبال کا تعارف کراتے ہوئے انہیں ہندوستان کا عظیم فلسفی، شاعر، سیاست دان اور ماہر قانون قرار دیا۔ علامہ اقبال نے اس مجلس میں *„Spain and the Intellectual World of Islam“* کے موضوع پر ایک پُر مغز خطبہ دیا جس میں انہوں نے مسلم سپین کے تمدن فلسفہ اور تصوف کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی اور اہل سپین کو دعوت دی کہ وہ ہر قسم کے تعصبات اور غلط قسم کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں اور براہ راست مسلم تہذیب اور تاریخ کا مطالعہ کریں۔ علامہ اقبال کے خطبہ کو بہت سراہا گیا اور اگلے روز اس اجلاس کی روداد سپینی اخبارات خصوصاً EL-Debate میں شائع ہوئی۔

میڈرڈ سے کوئی ۵۸ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قصبہ اسکوریل (Escorial) نامی ہے جہاں شاہ فلپ دوم (۱۵۲۰ء - ۱۵۹۸ء) کے زمانے

کی ایک محل نما خانقاہ ہے۔ جہاں اس بادشاہ نے زندگی کے آخری ایام گزارے تھے۔ اس میں گرجا۔ شاہی قبرستان اور ایک بڑی لائبریری بھی واقع ہے۔ لائبریری میں چالیس ہزار کے لگ بھگ نادر مطبوعات اور دو ہزار کے قریب عربی مخطوطات کا بیش قیمت ذخیرہ ہے جو دور احتساب کی تباہ کاریوں سے بچ گیا ہے۔ بعض عربی مخطوطات جانوروں کی کھالوں اور ہرن کی جھلیوں پر ہیں کتابوں کی جلدیں عمدہ چمڑے کی ہیں جن پر سونے کے پانی کا خوبصورت کام کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے یہ لائبریری دیکھی اور اس کے بارے میں ایک موقع پر فرمایا :

„اسکوریل لائبریری بڑی عظیم الشان لائبریری ہے۔ افسوس یہ ہے کہ عربوں کے زمانے کی قلمی تحریروں کا ذخیرہ متعصین نے پہلے غارت کر دیا تھا۔ اب تھوڑا ذخیرہ رہ گیا ہے جس میں زیادہ تر مولانا جامی اور حضرت حافظ کی قلمی تحریریں ہیں۔“

اس کے بعد اقبال غرناطہ گئے اور غرناطہ میں قصر الحمراء کی سیر کی جس کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے اقبال نے ایک موقع پر کہا :

„اندلس کی بعض عمارتوں میں بھی اسلامی فن تعمیر کی اس خاص کیفیت (قوت و ہیبت) کی جھلک نظر آتی ہے لیکن جوں جوں قومی زندگی کے قویٰ شل ہوتے گئے تعمیرات کے اسلامی انداز میں ضعف آتا گیا۔ وہاں کی تین عمارتوں میں مجھے ایک خاص فرق نظر آیا۔ قصر زہرا دیووں کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے، مسجد قرطبہ مہذب دیووں کا مگر الحمراء محض مہذب انسانوں کا۔“ پھر ایک تبسم کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا : ”میں الحمراء کے ایوانوں میں جایجا گھومتا پھرا مگر جدھر نظر اٹھتی، دیوار

پر،، ہو الغالب،، لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ میں نے دل میں کہا یہاں تو ہر طرف خدا غالب ہے، کہیں انسان نظر آئے تو بات بھی ہو۔۔۔  
 غرناطہ میں انہیں یہ بتایا گیا کہ سپین کی نئی حکومت غرناطہ کو دنیائے اسلام کے لئے ایک قابل دید مسلم تہذیبی مرکز بنانا چاہتی ہے۔

اس کے بعد اقبال نے قرطبہ کا رخ کیا جہاں انہوں نے جابجا مسلم آثار دیکھے اور خاص طور پر مسجد قرطبہ کی زیارت کی۔ مسلم اندلس کے حکمرانوں کے جمالیاتی اور تعمیراتی ذوق کی آئینہ دار اس عظیم الشان مسجد سے اقبال بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے مسجد کے نگرانوں سے خاص اجازت لے کر مسجد میں اذان دی اور اس میں نماز ادا کی۔ مسجد کو کلیسا کی صورت میں تبدیل کرنے کے کئی سو سال بعد علامہ اقبال پہلے خوش قسمت مسلمان تھے جنہوں نے یہاں نماز ادا کی۔ علامہ اقبال نے اس مسجد سے جو اثر لیا وہ ان کی نظم،، مسجد قرطبہ،، سے عیاں ہے جو بجا طور پر ان کے فکر و فن کا شاہکار خیال کی جاتی ہے۔ قرطبہ سے اقبال نے اپنے فرزند جاوید اقبال کو تصویر کی کارڈ بھی ارسال کئے اور انہیں لکھا،، میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اس مسجد کے دیکھنے کے لئے زندہ رہا۔ یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے۔ خدا کرے تم جوان ہو کر اس عمارت کے اتوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو۔۔۔ مولانا غلام رسول مہر، مدیر انقلاب لاہور کے نام ایک خط میں لکھا،، مرنے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھو۔۔۔

لاہور واپس پہنچے تو انہوں نے ملاقات کے لئے آنے والوں سے مسجد قرطبہ کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے کہا :  
 ،، میری رائے میں آج تک اس سے زیادہ خوب صورت اور شان دار مسجد روئے زمین پر تعمیر نہیں ہوئی۔ عیسائیوں نے بعد فتح قرطبہ

اس مسجد میں میں جابجا چھوٹے چھوٹے گرجے بنا دیئے تھے جنہیں اب صاف کر کے مسجد کو اصل حالت میں لانے کی تجویزیں کی جا رہی ہیں۔ میں نے ناظم آثار قدیمہ کی معیت میں جا کر یہ اجازت خاص اس مسجد میں نماز ادا کی۔ قرطبہ پر عیسائیوں کے تسلط کے بعد جسے کم و بیش ساڑھے چار سو برس گزر چکے ہیں اس اسلامی عبادت گاہ میں یہ پہلی اسلامی نماز تھی۔

علامہ اقبال تقریباً تین ہفتے کی سیاحت کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو واپس لندن پہنچے اور وہاں سے ۱۰ فروری کو وینس کے ایک جہاز، کانٹے وردی، میں سوار ہو کر ہندوستان روانہ ہو گئے، ۲۲ فروری کو بمبئی پہنچے اور بمبئی میں اخبار،، خلافت، کے نامہ نگار نے اقبال سے ان کی سیاحت سپین کے بارے میں دریافت کیا تو اقبال نے کہا :

،، مجھے لندن میں اسپین جا کر لیکچر دینے کی دعوت ملی تھی۔ اسلام کے اس مرکز کو دیکھنے کا مجھے پہلے ہی شوق تھا۔ اس لئے میں نے دعوت قبول کر لی۔ مجھے وہاں پہنچنے سے پہلے تقریر کے موضوع کا کوئی علم نہ تھا۔ البتہ خواہش یہ تھی کہ ایسا مضمون ہو جس پر تقریر کرتے ہوئے میں اسلامی ثقافت و تمدن اور اسلامی فلسفہ پر کچھ کہہ سکوں۔ وہاں پہنچنے پر پروفیسر آسن کو انتخاب مضمون کا اختیار دے دیا۔ اتفاق سے انہوں نے وہی مضمون تجویز کیا جس کا میں خود خواہش مند تھا۔، یعنی ،، سپین اور فلسفہ اسلام،، میرا لیکچر میڈرڈ کی جدید یونیورسٹی میں ایک گھنٹہ جاری رہا، جس میں میں نے اسپین کے مسلمانوں کے تمدن فلسفہ اور ان کی تہذیب و روحانیت کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و تفسیر بیان کرتے ہوئے حاضرین سے اپیل کی کہ سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کریں، نہ

عیسائیوں کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہوں، بلکہ عربوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔“

”میں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ملک کے متعدد مشہور تاریخی مقامات و آثار کا بہ نظر غائر معائنہ کیا۔ میں اپنے تاثرات کا اظہار الفاظ میں نہیں کر سکتا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح یہودیوں کے لئے ارض موعودہ فلسطین ہے، اسی طرح عربوں کے لئے غالباً اسپین کی سرزمین موعودہ ہے۔ اس قدر خوب صورت، اس درجہ پر فضا اور ایسا آرام دہ ملک۔“

”پروفیسر آسن عربی زبان کے پروفیسر اور بہت ہی خوش خلق و ملنسار آدمی ہیں۔ ان کا ایک شاگرد قرطبہ کی قدیم یونیورسٹی کا پرنسپل ہے۔ اس یونیورسٹی میں عربی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔“

ایک سوال کے جواب میں اقبال نے فرمایا :

”اس وقت تو وہاں کوئی مسلمان نہیں۔ لیکن تعلیم یافتہ طبقہ اب عربی النسل ہونے پر فخر کا اظہار کرنے لگا ہے اور ہر اچھی چیز کو ”مورش“ کہہ دیتا ہے (یعنی اسلامی)۔ ان میں اسلام کی طرف سے بغض و عناد کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ اسلامی تہذیب و تمدن اور فلسفہ مذہب کا مطالعہ بڑے ذوق سے کرتے ہیں۔ اسپین میں اکثریت رومن کیتھولک کی ہے لیکن مذہب روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ گرجے آباد تو ہیں مگر ان میں غریب طبقہ جاتا ہے۔ یہی حالت تقریباً ہر یورپین ملک کی ہے۔“

عربوں کی عمارتوں کے متعلق علامہ نے فرمایا :

”جن مسجدوں کو گرجاؤں میں تبدیل کر دیا گیا تھا وہ اب تک مسجدوں کی شکل میں نہیں آئیں۔ البتہ چند مسجدیں واگذاشت ہو

گئی ہیں اور باقی کے متعلق امید ہے کہ تعصب و عناد کی کمی ہونے پر واگداشت ہو جائیں گی۔ محکمہ آثار قدیمہ نے عربوں کی عمارتیں کئی جگہ کھود کر نکالی ہیں۔ کارڈوا (قرطبہ) میں کھدائی کا کام جاری ہے۔ خلفا کے زمانے کی چند عمارتیں نکل آئی ہیں۔ ان کے بعض حصوں میں ٹوٹی ہوئی تصویریں بھی نظر آئی ہیں۔“

ایک سوال کے جواب میں علامہ نے فرمایا :

”عربوں کا تمدن اسپین سے بالکل فنا نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ شہر طلیطلہ عربی تمدن کی زندہ مثال ہے۔ قدرتی مناظر و حسن کے علاوہ یہاں کی معاشرت بھی آرام دہ اور دل کش ہے۔ وہاں پہنچ کر میں نے محسوس ہی نہیں کیا کہ اجنبی ملک میں ہوں۔ یہاں کے بازار، مکانات بالکل مشرقی نمونہ کے ہیں اور غذا بھی وہی ہے جو ہم لوگوں کو مرغوب ہے۔ چنانچہ پلاؤ کا مجھے وہی مزا آیا جو لاہور میں آتا ہے۔ لوگ خلیق اور ملنسار ہیں۔ ان کے رہنے سہنے کا طریقہ بھی مشرقی ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی بالکل سادہ وضع کی مسجد ہے جو اپنی ابتدائی حالت میں اب تک قائم ہے۔ غالباً کسی مسلمان سپاہی نے فتح طلیطلہ کے بعد اسے بنوایا تھا۔ موجودہ حکومت نے اسے آثار قدیمہ میں لے کر محفوظ کر دیا ہے۔ اسپین کی زبان میں اب تک عربی الفاظ بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔ ال تو اکثر الفاظ میں ملا ہوتا ہے۔“

حکومت کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا :

”جمہوریت سے تمام لوگ خوش ہیں۔ معدودے چند ہوں گے جو شہنشاہیت پسند ہیں۔ موجودہ حکومت کوشش کر رہی ہے کہ قدرتی وسائل اور انعام و اکرام سے استفادہ کرے۔ چنانچہ کان کنی اور معدنیات کے متعلق اب تک جو معلومات بہم ہو سکی ہیں وہ سب

وہی ہیں جن کی تحقیقات عربوں نے کی تھی۔ ان کاوشوں کا نفع موجودہ نسل اٹھانا چاہتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے آخر میں مشورہ دیا کہ، ضرورت ہے کہ یہاں سے دو چار ایسے تعلیم یافتہ طلبا اسپین بھیجے جائیں جو فلسفہ الہیات، عربی تمدن، اسلامی تاریخ اور مذہب سے اچھی طرح واقف ہوں تاکہ وہ اسلام کا صحیح نمونہ اہل ہسپانیہ کو پیش کر سکیں۔

۲۶ فروری ۱۹۳۳ء کو اقبال نے سفر یورپ اور سیاحت اندلس

کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا:

„یورپ کے مختلف ممالک میں پھرنے اور موجودہ زمانے کی اخلاقی ابتری دیکھنے کے بعد میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کو بحیثیت دین قبولیت پانے کا یہ بہترین وقت ہے۔ آج لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں یورپ کے مرد اور عورتیں اسلام اور اس کے کلچر کی تعلیمات سمجھنے کے خواہاں ہیں۔ نوجوان مسلم جس قدر جلد اس حقیقت کو سمجھ لیں اتنا ہی اچھا ہے۔ یورپ کے مسلمان اب اس حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ وہ آئندہ اگست میں جنیوا میں ایک کانفرنس منعقد کر رہے ہیں جس کے اغراض و مقاصد محض معاشرت اور کلچر تک ہی محدود ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ ایشیا اور افریقہ کے مسلمان کانفرنس کو کامیاب بنانے میں دلی تعاون پیش کریں گے۔“

„میں نے قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ، طلیطلہ اور میڈرڈ کی سیاحت کی اور قرطبہ کی تاریخی مسجد اور غرناطہ کے قصر الحمراء کے علاوہ میں نے مدینۃ الزہرا کے کھنڈر بھی دیکھے۔ یہ مشہور عالم قصر عبدالرحمن اول نے اپنی چہیتی بیوی زہرا کے لئے ایک پہاڑ پر تعمیر کرایا تھا۔ آج کل یہاں کھدائی کا کام جاری ہے۔ بارہویں

صدی عیسوی میں ایک مسلمان موجد نے سب سے پہلے اس جگہ پر ایک ہوائی جہاز کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہاں پر منجملہ اور لوگوں کے وزیر تعلیم ہسپانیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔۔۔ یہ صاحب ہسپانیہ کی موجودہ روایات کے خلاف بہت خلیق اور روشن خیال ہیں۔ ان کے علاوہ، ڈوئٹن کومیڈی اینڈ اسلام (Divine Comedy and Islam) کے سہرہ آفاق مصنف پروفیسر آسن سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ وزیر تعلیم کی زیر صدارت غرناطہ کی یونیورسٹی میں شعبہ عربیہ میں کافی توسیع ہو رہی ہے۔ اس شعبہ کا صدر پروفیسر آسن کا ایک شاگرد ہے۔ جنوبی اسپین میں رہنے والے اپنے موروی الاصل ہونے اور اسلامی تہذیب کی عظیم الشان یادگاروں کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ اب پھر ملک میں بیداری کی ایک لہر دوز رہی ہے اور تعلیم کی ترقی کے ساتھ اسے اور بھی فروغ حاصل ہوگا۔ لوتھر کی اصلاحی تحریک ابھی تک ختم نہیں ہوئی بلکہ یورپ کے مختلف ممالک میں اب بھی یہ تحریک بہت خاموشی سے اپنا کام کر رہی ہے اور بالخصوص ہسپانیہ میں پادریوں کا اثر آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہے۔۔۔

بمبئی سے علامہ اقبال فرنٹیئر میل پر سوار ہو کر لاہور پہنچے جہاں معززین لاہور اور اقبال کے احباب نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔

علامہ اقبال کی تین ہفتے کی یہ سیاحت اندلس اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے کہ اس نے انہیں ایک نئے تخلیقی جوش سے سرشار کیا جس کا مؤثر اظہار ان کی متعدد نظموں کی صورت میں ہوا۔ اقبال کی ان تخلیقات سے برصغیر کے مسلمانوں میں اپنی گزشتہ عظمت کا احساس، دور غلامی میں زبوں حالی کا شعور اور روشن

مستقبل کے لئے جدوجہد کرنے کا عزم و حوصلہ پیدا ہوا۔ خصوصاً ،،مسجد قرطبہ، پر اقبال کی شاہکار نظم نے لوگوں کے دل و دماغ کو جس طرح متاثر کیا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ اس نظم میں اقبال نے اسلامی تہذیب کی خصوصیات اور اس کے اندلس پر اثرات کی وضاحت کے لئے نہایت دلکش اور موثر پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ نظم کے بہت سے الفاظ، تراکیب لفظی، مصارح اور اشعار مسلمان اہل قلم کے لئے اظہار کے خوبصورت سانچوں کی صورت اختیار کر گئے ہیں، اقبال کے بعد برصغیر کے کسی مسلمان سیاح اندلس کا سفرنامہ اٹھا کر دیکھیں اس پر کسی نہ کسی طرح اقبال کے عمومی اور ان کی نظم ،،مسجد قرطبہ، کے خصوصی اثرات نمایاں دکھائی دیں گے۔

### (۴) اندلس میں اجنبی

مستنصر حسین تارڑ کا یہ سفرنامہ سپین ستمبر ۱۹۶۶ء میں التحریر لاہور سے پہلی بار شائع ہوا۔۔۔ ۳۵۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مصنف نے تورز، سان سبستیان، قشتالیہ، ثوریا، مدینہ سالم، مجریط (میڈرڈ)، قرطبہ، اشبیلیہ، قرمونہ، غرناطہ اور مرسیہ وغیرہ کی سیاحت کی روداد بیان کی ہے۔ فاضل مصنف کی خواہش تھی کہ انہوں نے جہاں یورپ کے بہت سے علاقوں کی سیاحت کی ہے وہاں مسلمان ہونے کے ناطے اندلس کی سیر بھی کرے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاحت یورپ کے دوران بھی اندلس کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی۔ مصنف کے لئے اندلس کوئی اجنبی ملک نہیں، ایک طرح سے ان کا اپنا وطن ہے۔ ان کے اشتیاق کی شدت کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے فرانس سے سپین کی طرف ریل گاڑی میں سفر کرتے ہوئے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہے۔

،،ہسپانوی جو ہر مسلمان کو مور کہتے ہیں ... غرناطہ سے جلا وطن ہونے کے ۴۷۷ برس بعد ... ایک پاکستانی مور کی واپسی ... اپنے وطن کی طرف ،، - (ص : ۱۵) پھر جب تورز کا سٹیشن آیا تو مصنف کو ۳۲۲ء کے موسم بہار کے وہ دن یاد آئے جب اندلس کے اموی گورنر عبدالرحمن الغافی نے یورپ کے شہروں کی مسلسل فتوحات کے بعد تورز کے میدان جنگ میں یورپ کی متحدہ افواج کا مقابلہ کیا لیکن بعض وجوہ سے ناکام رہا - عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ اگر تورز میں عیسائیوں کو شکست ہو جاتی تو پورا یورپ مسلمانوں کے زیر اقتدار آ جانا (ص : ۱۷) -

مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں پر عموماً داستانی رنگ غالب رہتا ہے۔ یہی کیفیت ،،اندلس میں اجنبی ،، کی ہے۔ اس میں ماڈرن ٹورسٹوں کی طرح آوارہ خرامی کے تذکرے ہیں، دوشیزاؤں کے قصے ہیں، میلوں ٹھیلوں کا تذکرہ ہے۔ علاوہ ازیں عام آبادی کے احوال بھی مصنف کی نگاہ کی زد میں رہتے ہیں، لوگوں کی معاشی، معاشرتی اور مذہبی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا قریب سے مشاہدہ بھی تارڑ کا مطمح نظر ہے، میلوں ٹھیلوں سے دلچسپی کا اندازہ اس سے کریں کہ تارڑ نے کتاب کے ۲۲ صفحات پر مشتمل تین ابواب ،، بے تورو ، ، ،، تپتی دویہر میں موت ،، اور گرم شام کی خوشبو ،، میں بل فائٹنگ کا ذکر کیا ہے۔ تاہم وہ قصے کہانی کے علاوہ کہیں کہیں تاریخی حقائق بھی سامنے لاتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں مشرقی اور مغربی مصنفین پر یکساں انحصار کرتے ہیں۔ قاضی ولی محمد کا ،، سفرنامہ اندلس ،، بھی ان کے پیش نظر ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے سید امیر علی، گین، ہتی، فریڈرک برگیبور ایسے مورخین اور اتونو مچادو، ابن زیدون، خلیل جبران، ابن حسان، ابن گیروں ایسے شعرا کے حوالے بھی سفرنامہ کی زینت بنائے ہیں۔

تارڑ نے مسلمانوں کی فتوحات کے علاوہ ان کی تہذیبی اور علمی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے شہروں کی آبادی اور تعمیر میں مسلمانوں کے حسن ذوق اور ان کی رفاہی سرگرمیوں کا تذکرہ بھی کیا۔ جب وہ سخت گرمی کے موسم میں ایک ٹیکسی میں پامپلونا سے قشتالیہ کی طرف سفر کر رہے تھے تو اثنائے راہ میں ٹیکسی ڈرائیور کو پیاس لگی۔ اردگرد پانی کے آثار نہیں تھے لیکن ایک پادری نے اسے پرانے قبرستان میں واقع ایک کنویں کا پتہ دیا جہاں سے جی بھر کر پانی پیا۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے کنویں مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں جا بجا بنوائے تھے جن میں سے اکثر نیست و نابود ہو چکے ہیں۔ تارڑ نے ٹیکسی ڈرائیور کے بیان کو یوں نقل کیا ہے۔ „سینکڑوں برس پیشتر اس علاقے پر بڑی بڑی پگڑیوں والے وحشی مور حکمران تھے۔ انہوں نے مسافروں کی سہولت کے لئے تمام بڑی شاہراہوں کے کنارے ہر چند کوس کے فاصلے پر کارواں سرائیں اور کنویں بنوائے۔ مجھے اس پادری نے بتایا تھا“۔

( ص : ۸۰ )

مرسیہ کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے، „مرسیہ فلسفہ وحدت الوجود کے عظیم استاد محمد ابن عربی کا مولد ہے۔ جن کی تصنیف، „فتوحات مکیہ، کو دانتے کی، „ڈیوائن کامیڈی، کا ماخذ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ دانتے ابن عربی کی وفات کے پچیس برس بعد فلارنس میں پیدا ہوا لیکن اس کا استاد برونت ابن عربی کا ہم عصر تھا۔ برونت فتوحات مکیہ سے اتنا متاثر ہوا کہ پوری کتاب ترجمہ کر کے دانتے کے ذہن نشین کروا دی“۔ ( ص : ۳۳۵ )۔

قرطبہ کے بارے میں تارڑ رقمطراز ہیں، „قدیم قرطبہ میں وہ کونسی کشش تھی جس کا طلسم آج بھی ان گلیوں میں خاموشی سے رواں ہے۔ قلب ہتی نے اسے بغداد اور قسطنطنیہ کے ہمراہ دنیا کے تین

روشن ترین شہروں میں شمار کیا ہے۔ دس لاکھ سے زائد آبادی کے اس شہر میں ایک لاکھ تیرہ ہزار مکان اور حویلیاں تین سو عالی شان حمام اور ستر سرکاری لائبریریاں تھیں جہاں تین ہزار خواتین قلمی نسخوں کی کتابت پر مامور تھیں۔ میل ہا میل تک پختہ سڑکوں کا ایک سلسلہ تھا اور ہر مکان کے دروازے پر ایک لائٹن نصب تھی .... (ص : ۱۳۵، ۱۳۶)۔

مصنف نے قرطبہ میں مسجد قرطبہ اور مدینۃ الزہرا وغیرہ تاریخی آثار کی شان و شوکت کا تذکرہ بھی کیا ہے اور وہاں ان کی موجودہ خستہ حالت کی طرف بھی بلیغ اشارے کئے ہیں۔ مثلاً مسجد قرطبہ کی خستہ حالت کا ذکر یوں کرتے ہیں ، ، میں نے ایک دراڑ کی مٹی کریدی تو دو تین اینٹیں بھر بھرے پلستر کی بارہ سو سالہ رفاقت سے جدا ہو کر میرے قدموں میں کر گئیں۔ مجھے خیال آیا شاید انہی تین اینٹوں کو امیر عبدالرحمن نے خود دیوار پر جمایا ہو۔ (ص : ۱۶۵)

مدینۃ الزہرا کے آثار کے بارے میں لکھتے ہیں ، ، اور آج ایک ہزار برس بعد اس عجوبہ روزگار محل کے کھنڈراتنی وقعت بھی نہ رکھتے تھے کہ ایک پاکستانی سیاح انہیں دیکھنے کے لئے قرطبہ میں صرف ایک روز اور ٹھہر جانے کی تکلیف گوارا کرتا ، ،۔ (ص : ۲۰۳)۔

مصنف نے بعض جگہوں پر عیسائی مصنفین کی غلط بیانیوں پر بھی تنقیدی نظر ڈالی ہے مثلاً برگپور نے الحمراء پر اپنی تصنیف میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ الحمراء دراصل مسلمانوں کا نہیں بلکہ غرناطہ کے یہودی وزیر اعظم یوسف کا تعمیر کردہ ہے یا یہ کہ محل کا اصل بانی الاحمر نہیں ، عبد اللہ نامی کوئی شخص تھا مگر بعد میں یوسف کے ہاتھوں دو بارہ تعمیر ہوا۔

تارڑ نے ان دعوؤں کی مدلل تردید کی ہے۔ (ص : ۲۶۱ - ۲۶۲)۔

فاضل مصنف کو سپین کی روز مرہ بول چال کے ضروری الفاظ

اور جملوں سے واقفیت ہے اور وہ موقعہ کی مناسبت سے ان سے کام لیتے ہیں۔ چونکہ مصنف کی آتش شوق کو بھڑکانے میں کلام اقبال کے اثرات بھی کارفرما ہیں اس لئے سفرنامہ کے صفحات میں جابجا اقبال کی مخصوص تراکیب لفظی کے نگینے جڑے دکھائی دیتے ہیں مثلاً مسجد قرطبہ کا منظر یوں پیش کرتے ہیں،، میرے گرد کا خلا بنفسی ارغوانی سنگ مرمر کے نازک ستونوں کے ایک جنگل میں بدلنے لگا۔ شام کے صحراؤں میں ایک ہجوم نخیل،، (ص : ۱۵۳) میں ایک بھٹکے ہوئے آہو کی طرح حیران کھڑا تھا۔ سوئے حرم کو کیا میں خود حرم میں تھا (ص : ۱۵۵) کتاب میں اشخاص وغیرہ کے اسماء کے اندراج میں فاش غلطیاں نظر آتی ہیں جیسے القفطی کو القضی (ص : ۱۳۳)، الزہراوی کو الظاہروی (ص : ۱۳۵) یہی نہیں ص : ۱۳۵

پر اور بھی بعض نام غلط لکھے گئے ہیں۔

(۵) آج بھی اس دینس میں

محمد حمزہ فاروقی کا یہ سفرنامہ سپین مکتبہ اسلوب کراچی نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا ہے۔ وہ اس سے قبل سرزمین شام کی سیاحت کی روداد بھی تصنیف کر چکے تھے، علاوہ ازیں ان کے قلم سے علامہ اقبال کے دوسرے سفر انگلستان کی تفصیل،، سفرنامہ اقبال،، کے نام سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔

محمد حمزہ فاروقی کی سیاحت سپین کا محرک علامہ اقبال کا سفر اندلس ہی ہے اور ان کی کتاب کا عنوان بھی اقبال ہی کے ایک شعر سے مآخوذ ہے،، نظم،، مسجد قرطبہ،، کا یہ شعر یوں ہے :

آج بھی اس دینس میں عام ہے چشم غزال

اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دلنشین

بقول ڈاکٹر وحید قریشی بظاہر تو ان کا یہ سفر تاریخی عمارتوں کی

سیر کا سفر ہے لیکن درحقیقت مسلمانوں کے باطن کی تلاش و جستجو پر مشتمل ہے۔ تاریخی عمارتوں کے پس منظر میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان اور اسپین کی دور حاضر کی زندگی میں ماضی کے نقوش کی بازیافت اس سفرنامے کا محور ہے۔۔ (ص : ۱۰)

اس سفرنامے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مطالعہ و مشاہدہ دونوں کارفرما ہیں، سیاحت اور تاریخ دونوں ساتھ ساتھ موجود ہیں، مصنف نے سفرنامہ میں حقائق بیان کرنے کو ترجیح دی ہے انہوں نے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے فرضی معاشقوں اور افسانوں کا سہارا نہیں لیا، وہ ہر لمحہ اپنی توجہ مقصد سفر پر مرکوز رکھتے ہیں اور قاری کے دل و ذہن کو ادھر ادھر بھٹکنے نہیں دیتے، تقریباً دو ہفتوں پر مشتمل اس سیاحت کا آغاز ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو لندن سے روانگی کی صورت میں ہوا اور ۲۷ فروری ۱۹۷۹ء کو اس کی تکمیل ہوئی اس دوران حمزہ فاروقی نے سپین کے شہروں میڈرڈ، اسکوریال، قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ وغیرہ کی سیر کی اور وہاں کے قابل دید مقامات کا نظارہ کیا۔

چونکہ حمزہ فاروقی علامہ اقبال سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اور اس عقیدت نے انہیں اقبال کی پیروی میں سپین کی سیاحت پر آمادہ کیا اس لئے سفرنامہ میں جا بجا کلام اقبال کے حوالے ملتے ہیں، اس کے علاوہ اس سفرنامہ میں سپین کے موجودہ باشندوں کے اطوار و عادات اور رہن سہن پر عرب اثرات کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ فاضل مصنف ہمیں بتاتے ہیں کہ، اسپینی اقوام دنیا بھر میں دو باتوں کے لئے مشہور ہیں Fiesta (مذہبی جشن) اور Siesta (قیلولہ)۔ ایک سے تین بجے تک دنیا کا ہر کام سوائے آرام کے بند ہوتا ہے۔ اس معاملے میں اسپینیوں اور عربوں میں بڑی مشابہت ہے۔۔ (ص : ۲۱)

، قرطبہ پرانی طرز کا شہر ہے اس کی گلیاں تنگ اور ٹیڑھی تھیں یہ عرب اثرات کا نتیجہ ہے ، گرمیوں میں جب سخت لو چل رہی ہو تو گرد و پیش کے بلند مکانوں کی بنا پر گلیوں میں سایہ رہتا ہے۔ یہ طریقہ اب بھی مشرق وسطیٰ کے پرانے شہروں میں رائج ہے۔ قرطبہ کے مکان باہر سے سادہ اور سپاٹ نظر آتے تھے لیکن دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی خوبصورت وضع کا صحن ، فوارہ اور چھوٹا سا باغ ہوتا ہے۔ صحن کے گرد رہائشی کمرے اور دیواروں پر خوبصورت نقش و نگار ہوتے ہیں۔ عربوں کے طرز تعمیر سے مشابہت دیکھ کر مجھے خوش گوار حیرت ہوئی ۔۔ (ص : ۳۰)

عربوں کے انخلا کے بعد اسپین کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فاضل مصنف رقمطراز ہیں ،، سقوطِ غرناطہ کے بعد اس مذہبی رواداری کا خاتمہ ہو گیا جسے عربوں نے اپنے دور عروج میں رواج دیا تھا اور جس کے نتیجے میں مسلمان، عیسائی اور یہودی مل جل کر علمی اور تمدنی کارنامے انجام دیتے تھے۔ مذہبی رواداری ، علم دوستی اور فن پروری کے بجائے مذہبی تقشف، عدم رواداری ، تنگ نظری، جہالت اور تعصب نے جنم لیا، مقصود یہ تھا کہ اسپین کو مختلف مذاہب اور نسلوں سے پاک کر کے متحد قوم بنایا جائے (ص: ۲۲ - ۲۳) اس کے بعد کتاب میں عیسائیوں کے نظام احتساب کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ لاتعداد مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا اور مسلمانوں کے اخراج کے بعد معاشی سرگرمیاں دم توڑ گئیں اور اسپین یورپ کا پسماندہ ترین ملک بن گیا (ص : ۲۳)

محمد حمزہ فاروقی نے مسجد قرطبہ کے ساتھ عیسائیوں کے سلوک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسجد کا پہلا تاثر بہت یاس انگیز تھا۔ ہر جگہ خستگی نمایاں تھی، گزشتہ صدیوں میں اسے

بری طرح نقصان پہنچایا گیا تھا۔ کعبہ کی مخالف سمت کے دروازوں کو بہت بھونڈے انداز سے بند کیا گیا تھا۔ امویوں نے روشنی اور تازہ ہوا کے لئے جو انتظام کیا تھا اسے دیواریں چن کر بدنما انداز سے بند کر دیا گیا ( ص : ۳۸ )۔

صاحب سفرنامہ نے یہ دلچسپ انکشاف کیا ہے کہ مسجد قرطبہ کی جگہ کلیسا کی تعمیر کے لئے جن عیسائی معماروں سے کام لیا گیا ان کا دل مسلمان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ، انہوں نے کلیسا کی دیواریں پر نقش گری کرتے ہوئے جابجا کلمہ طیبہ تحریر کر دیا۔ جاہل اور متعصب حکمرانوں نے اسے بھی عربی وضع کے پیل بوٹے تصور کیا ۔۔ ( ص : ۳۹ )

جنت العریف کا تذکرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف لکھتے ہیں ،، ایک بلند مقام پر ہم نے وہ تالاب دیکھا جس میں مختلف چشموں کا پانی جمع ہوتا اور یہاں سے دیگر مقامات کو تقسیم ہوتا تھا ، یہاں دریائے ڈارو سے بھی پانی آتا تھا ۔ اول تو اس بلندی تک پانی پہنچانا دشوار تھا، دوسرے یہاں سے دیگر مقامات پر سلیقے سے پانی منتقل کرنا اور بھی دشوار تھا۔ اس انتظام کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔۔ ( ص : ۹۹ )

لسان الدین خطیب ، الادریسی اور دیگر قدیم و جدید یورپی مصنفین مثلاً ولیم ہکلنگ پریسکوٹ، لیوپولد تورس بلباس، گوٹین، واشنگٹن اورنگ وغیرہ کی تصانیف کے حوالے دئے گئے ہیں ، ابو عبد اللہ کے اخراج کے بارے میں پریسکوٹ کا یہ دلچسپ بیان ملاحظہ ہو :

،،وہ دروازہ جہاں سے ابو عبد اللہ آخری مرتبہ نکلا تھا اس کی درخواست پر چنوا دیا گیا تاکہ کوئی دوسرا یہاں سے نہ گزر سکے ۔۔

اس حالت میں یہ دروازہ غرناطہ کے آخری بادشاہ کے دردناک انجام کی یادگار بنا ہوا ہے۔۔ ( ص : ۸۳ )

غرناطہ کے جدید دور کے ایک شاعر فیڈریکو گارسیالورکا نے مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائیوں کے دور پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ کہا محمد حمزہ فاروقی اسے یوں نقل کرتے ہیں۔۔ یہ ایک تباہ کن اقدام تھا گو سکولوں میں اس کے برخلاف پڑھایا جاتا ہے۔ ایک قابل تحسین تہذیب، شاعری، طرز تعمیر اور دنیا بھر میں منفرد حسن کو برباد کر دیا گیا تاکہ ایک غریب قوم کو ڈرا دھمکا کر بدترین متوسط طبقے کے لئے جیسا کہ آج کل اسپین میں موجود ہے اس وسیع خرابی میں جگہ پیدا کی جائے۔۔ ( ص : ۸۶ )

فیڈریکو کی یہ تلخ نوائی ۱۹۳۶ء میں اس کے قتل کا باعث بنی مصنف نے بتایا کہ عیسائی پادریوں کے تعصب کا یہ عالم ہے کہ ۱۹۸۸ء میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر مسجد کے ایک حصے میں مسلمانوں کو نماز عید ادا کرنے کی اجازت ملی تھی لیکن پادریوں کے اثر کی وجہ سے مسجد کا مسلمانوں کو واگزار ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ ( ص : ۳۰ )

#### (۶) سفر مینا

معروف ادیب، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار اشفاق احمد کی یہ تصنیف ان کے سفرناموں، افسانوں اور ایک ناولٹ کا مجموعہ ہے۔۔ ”سفر مینا“ اپریل ۱۹۸۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ مصنف کو اگرچہ سپین کے کئی شہروں کی سیاحت کا موقع ملا لیکن انہوں نے ”عرش منور“ اور ”ہے تورو“ کے عنوانات کے تحت بالترتیب صرف قرطبہ اور غرناطہ کی روداد سفر لکھنے پر اکتفا کی ہے۔ اس روداد سفر پر تاثراتی اور داستانی رنگ غالب ہے شاید یہی وجہ ہے کہ

مصنف نے سفرناموں کو اپنے افسانوں اور ناولٹ کے ساتھ یکجا کر دیا ہے ، اشفاق احمد نے میلوں ٹھیلوں کی رنگینیوں اور عام زندگی کی گہما گہمیوں کا تذکرہ بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ کتاب میں کبھی تو بل فائٹ کی تفصیل سے قاری کو محظوظ کیا گیا ہے اور کبھی سپین کی دوشیزاؤں مثلاً ،، کوکلے تلنے والی ،، اور ،، ایزابیللا ،، کے ساتھ بات چیت کے ذریعے تاثرات سفر پیش کئے گئے ہیں۔ بہر حال مصنف کا مقصود نظر یہ ہے کہ سپین کے ماضی اور حال خصوصاً مسلمانوں کے زوال اور اس کے اثرات پر روشنی ڈالی جائے۔ اشفاق احمد کو یہ احساس ہے کہ قرطبہ ان کے اسلاف کا وطن تھا اور اس بنا پر ان کا اپنا وطن ہے اس کی فضا میں انہیں وہی اپنائیت نظر آتی ہے جو اپنے وطن میں محسوس ہوتی تھی اور یہی وہ تاریخی اور تہذیبی رشتہ ہے جو سیاح کو سپین میں لے آیا ہے :

،، قرطبہ کے سٹیشن سے پرے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نہر کا ایک بنگلہ ہے۔ بنگلہ کے ساتھ نہر بہہ رہی ہے اس کے ساتھ قبرستان میں میرے بھائی اور دادا کی قبریں ہیں اور ان کے ساتھ اور بہت سے ایسے لوگوں کے مدفن ہیں جنہیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جن سے میں بارہا ملا تھا یا جن کے متعلق میں نے اپنے والد اور اماں اور نانی سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ سفر کی صہوبتیں برداشت کرنے اور درد کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آج بڑی مشکل سے اپنے گاؤں پہنچا تھا اور میرے اپنے گاؤں کے لوگ جنہوں نے ہمارے چلے جانے کے بعد ہماری ہر چیز پر قبضہ کر لیا تھا شک اور حیرت کی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے جیسے مجھے پہچانتے کی کوشش کر رہے ہوں جیسے مجھے پہچان کر اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہوں کہ نہیں یہ وہ نہیں ہو سکتا۔

بہلا اس میں وہ جرأت کہاں کہ ہماری سرزمین پر قدم رکھ سکے ہماری مملکت کی سرحدوں کو چھو سکے۔ ( ص : ۴۷ - ۴۸ )  
 میرا پڑدادا شہر کا کوتوال رہا تھا۔ میرا دادا قرطبہ کی دانش گاہ میں رومی قانون پڑھاتا تھا اور میرا باپ سلطانی بیطبر تھا۔ بے چاری دادی سارا دن کھجوروں کا شیرہ تیار کر کے روغنی مرتبانوں میں بھرا کرتی تھی اور اماں زیتون کا تیل بیچنے والی ان یہودنوں سے بھاؤ چکایا کرتیں جو بات بات پر لمبی لمبی قسمیں کھاتی تھیں اور مردنگ ایسے مرتبانوں پر لمبے سے ہاتھ رکھ کر یونہی بے معنی سی ہنسی ہنسنے جاتیں۔ ( ص : ۵۰ )

،، سفر مینا ،، میں کہیں کہیں براہ راست تاریخی حقائق بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ،، اس وقت قرطبہ دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے اندلس کے سارے شہروں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ آبادی کوئی دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ شہر میں اسی ہزار چار سو دکانیں، سات سو مسجدیں ، نو سو حمام اور نماز گاہ چار ہزار گودام تھے۔ یہ خوشحال اور متمدن شہر وادی الکبیر کے کنارے آباد تھا۔ ساری سڑکیں پتھر کی تھیں اور گرمیوں میں ان پر خیمے تن جاتے تھے تاکہ آمدورفت میں آسانی رہے۔ ( ص : ۶۲ )

یہ مسلم سپین کا قرطبہ تھا اور آج کا سیاح تیز دھوپ میں تپتی سڑکوں پر چلتے ہوئے آرزو کرتا ہے کہ : ،، کاش ان سڑکوں پر کم از کم شہر کے اندرونی کونوں پر اب بھی کوئی تنیو تان دیا کرے تاکہ لوگوں کو چلنے بھرنے میں آسانی ہو۔ ( ص : ۶۲ )

اشفاق احمد نے مسلمانوں کی عظیم الشان عمارتوں کا ذکر بھی کیا ہے لیکن اس ذکر میں اظہارِ فخر کے ساتھ احساسِ الم بھی مضمربے کہ اب ان عمارتوں کی ترقی و توسیع تو کجا مرمت کرنے والا

بھی کوئی نہیں۔ مسجد قرطبہ کو دیکھ کر اشفاق احمد کے دل پر جو اثر ہوا اس کا تذکرہ یوں کیا ہے :

”میں نے ایک جھرجھری لی، شانے جھٹکے اور ایک منجھے ہوئے ٹورسٹ کی طرح اپنے آپ سے انگریزی میں کہا، ”تو یہ ہے مسلمانوں کا وہ عبادت کدہ جس کی تعمیر انہوں نے آٹھویں صدی میں شروع کی تھی اچھی خاصی عالی شان عمارت ہے۔“ مگر یہ فقرہ مجھے ٹھیک سے سہارا نہ دے سکا اور میں یہ دیکھ کر دکھی ہو گیا کہ اس عمارت کی اچھی طرح نگہداشت کیوں نہیں ہوتی؟ اس کی شکست وریخت پر کوئی توجہ کیوں نہیں دیتا۔ سیڑھیاں کیوں ٹوٹ گئی ہیں؟ کنگرے کیوں ڈھے گئے ہیں؟ ڈاٹوں کے پتھر اندر کو کیوں پچک گئے ہیں۔ کرسی کے اوپر دیوار کو شورہ نچاٹ رہا ہے تو دنیا کے کسی عبدالرحمن کو خبر کیوں نہیں ہوتی؟ (ص : ۶۳)

مصنف نے بتایا ہے کہ سپین کے موجودہ باشندوں کو مسلمانوں کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور اسی بنا پر وہ مسلمانوں کو غیر مہذب سمجھتے ہیں۔ مصنف نے اس بات کو کوکلے تلنے والی ایک ہسیانوی لڑکی سے اپنی گفتگو کے ذریعے اس طرح واضح کیا ہے :

”اس لڑکی کو جب معلوم ہوا کہ مصنف مسلمان ہے تو وہ سر کو جھٹکا دے کر کرخت آواز میں بولی، ”مور اور یہ لجاجت“ میں نے پھر نظریں جھکا لیں اور جواب میں آہستہ سے کہا، ”ہم سبھی تو ایسے نہ تھے۔ آپس میں لڑتے تھے مگر رعایا پر تشدد تو نہ کرتے تھے۔“ آپ امیر عبدالرحمن کو نہیں جانتیں انہوں نے اسی شہر میں ایک برج بنوایا تھا اور اپنے آبائی ملک سے کھجور کا پودا منگوا کر یہاں بویا تھا۔ برج کے بالائی کٹھرے پر کھڑے ہو کر وہ پودے کو

پروان چڑھتے دیکھا کرتے۔ اپنے وطن کی یاد میں شعر کہتے۔ زریاب مغنی سے عود پر نغمے سنتے اور علم و ادب اور فنون لطیفہ کے پرستاروں کو منہ مانگی مرادیں دیتے ... اس نے چڑ کر کہا، میں کسی کو نہیں جانتی مور سب کے سب قصائی تھے اور تو سانپ کا بچہ سنیولیا ہے۔ ( ص : ۵۹ )

اشفاق احمد نے ” بے تورو “ کے عنوان کے تحت گو سپین کے ایک بل فائٹر کا قصہ سنایا ہے لیکن درحقیقت اس میں انہوں نے ان لوگوں کی خستہ حالت بیان کی ہے جو اپنے آپ کو اسلامی تاریخ کے آئینے میں دیکھ کر مسلمانوں کی طرح کوئی کارنامہ انجام دینے کی کوشش میں اپنا سب کچھ لٹا بیٹھتے ہیں۔ اصل اور نقل میں یہی تو فرق ہے۔

اشفاق احمد کی زبان اور بیان پر اقبال کا اثر صاف نظر آتا ہے، مثلاً ” اور یہ امید بار بار میرے دل میں آپ سے آپ ابھرتی رہی کہ ابھی مجھے دریائے کبیر کا چوڑا چکلہ پاٹ نظر آئے گا ابھی اس پر چابی دار محرابوں کا پل دکھائی دے گا اور ابھی مجھے وہ منار بلند وہ جلوہ گہ جبرئیل شفقت سے دیکھے گا جس کے قدموں میں مسجد قرطبہ اور اس کا صحن پھیلا ہوا تھا ( ص : ۵۱ ) ایک جملہ ملاحظہ کیجئے ” ... اگر دختر دھقان ہوتی تو گیت گاتی ہوئی چلتی۔“ (ص ۵۱)

(ک) ہسپانیہ میں علامہ اقبال کے نقش قدم پر

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ علامہ اقبال کے سفر ہسپانیہ نے لوگوں کو اس خطرے کی طرف متوجہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، اقبال کے بعد جس سیاح نے سپین کا رخ کیا اس نے اقبال سے تاثر ضرور لیا، اس تاثر کا بھرپور اقرار و اظہار محمد حمزہ فاروقی کے علاوہ سعید اختر درانی کے ہاں ملتا ہے۔ درانی نے تین

مرتبہ سپین کی سیاحت کی لیکن ان کی سیاحت کا تذکرہ کسی مستقل کتاب کا موضوع نہیں بلکہ اقبال پر ان کی تصنیف „اقبال یورپ میں“ کا حصہ ہے جو اقبال اکادمی پاکستان لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

سعید اختر درانی نے پہلی مرتبہ اپنے کیمبرج کے زمانہ طالب علمی میں ۱۹۵۶ء میں یورپ سپین کا دورہ کیا تھا۔ انہوں نے ۵۰۰ کلومیٹری ٹکٹ لے کر ریل کے ذریعے سپین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سیاحت کی۔ اس دوران انہوں نے اقبال کی پیروی میں مسجد قرطبہ میں نماز بھی ادا کی۔ دوسری مرتبہ انہوں نے اپنی جرمن نژاد بیوی کو سپین کے مسلم آثار مثلاً الحمراء، اشبیلیہ کا القصر اور عظیم مینار اور مسجد قرطبہ دکھانے کے لئے ۱۹۶۹ء میں اس سرزمین کی سیاحت کی۔

سعید اختر درانی تیسری مرتبہ اواخر جولائی ۱۹۸۲ء میں جرمنی سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ۔ بذریعہ کار روانہ ہوئے اور ۴ اگست کو سپین میں داخل ہوئے وہاں بارسلونا اور ویلنسیا کے رستے سفر کرتے ہوئے ایک گاؤں Bella Oscheta میں اپنی تعطیلاتی اقامت گاہ پر پہنچے جو Alicante سے کچھ فاصلے پر Villajoyosa کے قریب دامن کوہ میں واقع ہے۔ سعید اختر درانی نے اس خطے میں عربوں کے آباد کئے ہوئے کئی قصبوں، ان کے لگانے ہوئے باغوں اور ان کے تعمیر کئے ہوئے قلعوں کی سیر کی اور مسجدوں کی زیارت کی جن کو عیسائیوں نے گرجوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان میں Elche کی خوبصورت جامع مسجد بھی شامل ہے۔ یہاں دو ہفتے گزارنے کے بعد ۲۰ اگست کو اسپین کی سیاحت پر نکلے۔ پہلے مرسیہ میں رکے جس کے رستے میں کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے اور جابجا ایسے قصبے اور دریا نظر

آئے جن کے نام ابھی تک عربی ہیں۔ ایک شہر Elicante میں ایک جلوس دیکھا جس میں شامل لوگوں نے عربوں کا جنگی لباس پہن رکھا تھا اور وہ ہلالی پرچم اٹھانے شمشیر زنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور رزمیہ موسیقی کی تانیں بلند کرتے ہوئے اپنی پرانی تاریخی روایات کی یاد تازہ کر رہے تھے، اس کے بعد درانی غرناطہ پہنچے جہاں قصر الحمراء کی سیر کی، اس محل کی دیواروں، ستونوں اور جالیوں پر آیات قرآنی سے کی گئی آرائش اور عرب حکمرانوں کا طفری،، ولا غالب الا الله، دیکھ کر ان کی طبیعت پر عجیب اثر ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ قرطبہ پہنچے، قرطبہ کے باغات کا منظر دیکھا اور مسجد قرطبہ کی زیارت کی پھر علامہ اقبال کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قدیم عربی دار الحکومت طلیطلہ کا رخ کیا جہاں اب بھی قدیم طرز کی تلواریں دستی آئینے، طشتریاں اور زیور بنائے جاتے ہیں جن پر عربوں کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ عربی دور کی عمارتیں، حویلیاں، باغ، فوارے اور بازار ہر طرف دکھائی دیتے ہیں۔ طلیطلہ کی سیر کے بعد انہوں نے اویلا Avila کی سیر کی، اس قدیم اور خوبصورت شہر کے گرد فصیل ابھی تک باقی ہے اور ایک عظیم الشان قلعہ ابھی تک عربوں کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ اویلا سے چل کر شام کو میڈرڈ پہنچے۔ یہاں مصنف کو علامہ اقبال کی وہ تقریر تلاش کرنی تھی جو انہوں نے جنوری ۱۹۳۳ء میں *Spain and the Intellectual World of Islam*، کے عنوان سے میڈرڈ یونیورسٹی میں کی تھی اور جس کا ذکر قبل ازیں علامہ اقبال کے سفر اندلس کے ضمن میں آچکا ہے۔

سعید اختر درانی نے قومی کتب خانے Biblioteca Nacional

میں اقبال کی تقریر تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن

تقریر نہ ملنا تھی اور نہ ملی۔ وقت کی کمی آڑے نہ آتی تو شاید وہ اس میں کامیاب ہو جاتے۔ سعید اختر درانی ایک سائنس دان ہیں لیکن علامہ اقبال سے عقیدت و محبت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے نہ صرف علامہ اقبال کی بیرونی میں سپین کا سفر اختیار کیا بلکہ وہاں ایسی معلومات کی تلاش میں بھی مصروف رہے جو اقبالیات میں تحقیق کے سلسلے میں مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ شاید اسی لئے ان کے ہاں بطور سیاح حالات سفر رقم کرنے کا انداز نہرالا ہے۔ انہوں نے کوئی اٹھارہ صفحات میں اپنے تین سفروں کی روداد لکھی ہے اور تقریباً دس صفحات میں سپین کے قومی کتب خانے میں علامہ اقبال کی میڈرڈ والی تقریر کی تلاش کی تفصیل درج کی ہے۔

(۸) اندلس کا سفرنامہ

مولانا صہیب حسن کا یہ مختصر سفرنامہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور جولائی، اگست اور دسمبر ۱۹۸۸ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ یہ سفرنامہ ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس بنا پر منفرد اور ممتاز ہے کہ اس کے مصنف القرآن سوسائٹی لندن کے ڈائریکٹر ہیں اور انہوں نے سپین میں اشاعت اسلام کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے اپریل ۱۹۸۵ء میں سفر کیا تھا۔ اس سفر میں مولانا صہیب حسن کے اہل و عیال کے علاوہ لیورپول کے ڈاکٹر احمد زمان بھی ہمراہ تھے۔ مولانا نے بڑی دشواری سے سپین کا ویزا حاصل کیا اور ۲۹ مارچ ۱۹۸۵ء کو لندن سے روانہ ہو کر ڈوور اور میکے ہوتے ہوئے پیرس پہنچے۔ پیرس میں محراب فتح، نوٹری ڈیم کا گرجا اور مسجد پیرس وغیرہ دیکھی اور پھر لیون سے ہوتے ہوئے کوہ پیرینیز کے شمالی درے سے سپین میں داخل ہونا چاہتے تھے تاکہ ٹورس کو بھی دیکھتے جائیں جو اس راہ میں آتا ہے اور جہاں رمضان ۱۱۳ ھ / ۲۲ء میں

عبدالرحمن غافقی کی زیر سرکردگی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تھا لیکن ڈاکٹر زمان کے مشورے پر جنوبی فرانس ہوتے ہوئے کوہ پیرینیز کے انتہائی جنوبی سرے سے اسپین کا رخ کیا۔ اثنائے سفر میں جابجا مسلم آثار نظر آئے، فرانس کے سرحدی شہر پیرینیان کے مضافات میں پہنچے جہاں ایک مراکشی کے فلیٹ میں رات گزاری اس علاقے کے مراکشی مسلمانوں سے بارسلونہ کی واحد باقاعدہ مسجد طارق بن زیاد کا پتہ معلوم ہوا۔ کوہ پیرینیز کی گھاٹیوں سے گزر کر بارسلونہ پہنچے جو اسپین کا سرحدی شہر ہے، شہر میں مراکشی مسلمانوں کے علاوہ پچاس کے قریب پاکستانی خاندان بھی رہتے ہیں ان لوگوں کی مساعی سے اگرچہ شہر میں تین مسجدیں موجود ہیں لیکن ان میں پنجوقتہ نماز صرف مسجد طارق بن زیاد میں ہوتی ہے، مولانا صہیب حسن نے میڈرڈ میں واقع اسلامی مرکز کا دورہ بھی کیا جو اسپین کی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم عرب طالب علموں کی تنظیم جمعیۃ الطلبة المسلمین کی کوششوں سے قائم ہوا تھا، اس جمعیت کی شاخیں اسپین کے کئی شہروں میں قائم ہیں اور اس نے قرآن مجید کے اسپینی ترجمے اور دیگر اسلامی کتب کی اشاعت میں قابل قدر کام کیا ہے۔ اس اسلامی تنظیم کے روح رواں نزار احمد صباغ شامی تھے جنہوں نے اسپین میں اشاعت اسلام کی موثر خدمت انجام دی ہے۔ ان کو مبینہ طور پر شام کی حکومت نے شہید کر دیا۔ اس کے باوجود ان کی تحریک اللہ تعالیٰ کے فضل سے جاری ہے۔ اسلامی مرکز کی لاتبریری میں مفید کتابیں عام استفادہ کے لئے موجود ہیں۔ غرناطہ میں مسلمانوں کے پاس ایک قبرستان بھی ہے۔۔۔ مولانا صہیب حسن نے بارسلونہ کے نواح میں مقیم عربوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش

بھی کی۔ اس کے بعد انہوں نے بلنسیہ کا رخ کیا۔ راہ میں طرطوشہ کی سیر کی جو پانچ سو سال تک مسلم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا۔ مشہور مصنف ابوبکر طرطوشی (وفات ۵۲۰ھ) اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ اراغون کے عیسائی بادشاہ نے اس علاقے پر ایک صلحنامہ کے ذریعہ قبضہ کیا تھا اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی برقرار رکھنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ یہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا صہیب حسن لکھتے ہیں :

اسپین کے مسافر کو یہ بات شدت سے محسوس ہوگی کہ اسلامی ہسپانیہ کے ہر شہر کا مرکزی گرجا مقامی جامع مسجد کی ہیئت تبدیل کر کے بنایا گیا ہے۔ بارسلونہ کے مرکزی کیتھڈرل میں ابھی تک ایک عربی لوح کے آثار ملتے ہیں۔۔ (ص ۱۹۵)

ایک طرف یہ منظر ہے جو مسلمان سیاحان اسپین کو رنجیدہ کرتا ہے اور دوسری طرف احیائے اسلام کی جدوجہد کا احساس ہے جو دل کو روشن مستقبل کی نوید دیتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

”ہم نے بوجھل دل کے ساتھ قلعے کی فصیل سے طرطوشہ پر ڈھلتے ہوئے سورج کی شعاعوں کو نمناک آنکھوں سے دیکھا۔ سات صدیاں پہلے طرطوشہ کے آخری مسلمان نے ایسا ہی نظارہ اپنی آنکھ سے دیکھا ہوگا۔ کیا معلوم اسپین احیائے اسلام کی جس رو سے گزر رہا ہے اس کی کوئی لہر دریائے ایرو کی گود میں آباد اس عظیم بستی کو ازسرنو شاد کام کر دے۔۔ (ص ۱۹۵)

جناب صہیب حسن نے ان مقامات کے علاوہ بلنسیہ، الیکانترے، مرسیہ، الباسیت اور غرناطہ وغیرہ، کی سیاحت بھی کی اور تفصیل سے ان علاقوں کی تاریخ اور موجودہ دور میں کام کرنے والی اسلامی تنظیموں کی کارکردگی پر روشنی ڈالی ہے۔

## (۹) سورج کے ساتھ ساتھ۔

ذکیہ ارشد حمید کی یہ کتاب پانچ ملکوں فرانس ، سپین ، قاہرہ، سعودی عرب اور جاپان کے سفر کی روداد پر مشتمل ہے جو ستمبر ۱۹۸۸ء میں مکتبہ ہمزبان کراچی سے شائع ہوئی۔ ہر چند یہ سفرنامہ موصوفہ کی پہلی مستقل تصنیف ہے لیکن اس سے ان کی ادبی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ سفرنامہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں نہ تو زیب داستان کے لٹے کچھ بڑھایا گیا ہے اور نہ محض خشک معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ ایسا انداز اپنایا گیا ہے کہ قاری سفرنامہ نگار کے ہمراہ خود بھی سفر کے جملہ مراحل طے کرتا چلا جاتا ہے۔ ذکیہ ارشد سیر و سیاحت کی دلدادہ تو ہیں لیکن ان کا اصل طرہ امتیاز ان کے قومی و ملی احساسات ہیں جن کو انہوں نے فرانس کے نام نہاد ماڈرن شہروں پیرس ، کانز اور نیس وغیرہ کی سیر کرتے ہوئے بھی عزیز رکھا۔ وہ جہاں بھی گئیں اپنے اسلامی اور قومی تشخص کے اظہار سے غافل نہیں ہوئیں اس بنا پر اگر انہیں مذکورہ ممالک میں پاکستان کی غیر سرکاری سفیر قرار دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

ذکیہ حمید کو سپین کے قرب کا احساس پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب انہوں نے پیرس کے مضافات میں ایک مقام پر TOURS کا بورڈ لگا دیکھا۔ وہ لکھتی ہیں :

.. شام سے پہلے ہی ہم اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ بڑی شاہراہ پر جیسے ہی آگئے میری نظر سامنے بورڈ پر پڑی لکھا تھا طورز TOURS یہ لفظ میرے ذہن سے چپک گیا اور میں نے ارشد سے کہا کہ گاڑی اس سڑک پر موڑ لو۔ یہ جگہ صرف پچاس کلومیٹر ہے ہم جلدی لوٹ آئیں گے۔ موسیو والے اور ارشد حیران تھے کہ اس

جگہ کیا خاص بات ہے جو میرا ارادہ ایک دم اس طرف جانے کا ہو گیا ہے۔ بہت مشکل سے دونوں رضا مند ہوئے۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچے مجھے وہاں کی فضاؤں میں اللہ اکبر کی گونج سنائی دی۔ طارق بن زیاد اور میرے عرب بھائیوں کی خوشبوئیں ہر طرف بکھری تھیں۔ صدیاں گزرنے کے بعد بھی یہاں ہواؤں میں کلمۂ حق کی لہریں بکھری تھیں۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں تک مسلمان سپین فتح کرتے کرتے فرانس میں اندر تک آ گئے تھے۔ بس یہیں ۱۳۲۲ء میں فرانس کے بادشاہ چارلس مارٹن نے مسلمانوں کی پیش قدمی روک دی تھی۔ میرے ہاتھ فاتحہ پڑھنے کو اٹھ گئے اور بوجھل دل لٹے واپس چلی آئی۔ یہاں مسلمانوں کی کوئی یادگار باقی نہیں۔ صرف مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بڑے بڑے قلعے کھڑے ہیں۔۔۔ (ص : ۳۸)

،،لیون کے قدیم حصے میں ذکیہ صاحبہ نے ایک قلعہ نما گرجا دیکھا جس کے بارے میں وہاں کی نگران راہبہ نے بتایا کہ اس طرح کے قلعے آٹھویں صدی کے بعد تعمیر ہوئے کیونکہ اس زمانے میں جنوب کی طرف سے مور (مسلمان) فاتحین کی پیش قدمی جاری تھی جس کو روکنے کے لئے ان قلعہ نما گرجوں کو تعمیر کیا گیا۔ ان کی وساطت سے مقامی عیسائی باشندوں میں مذہبی جذبہ پیدا کیا گیا۔ ذکیہ ارشد نے یہ سنا تو ان کے تصور نے ماضی کی طرف زقند بھری :

،،اور میرے تصور میں سبز پرچم لئے مسلمان سپاہی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ان پہاڑوں کو اپنے قدموں تلے روندتے آگے بڑھتے رہے۔ انہی میدانوں کی مٹی پر ان کی جبین اپنے اللہ کے حضور جھکی ہو گی۔ ان کی عظمتوں کی ایک ایک نشانی نصرانیوں نے مٹا دی۔ مسلمان اپنے ساتھ۔ یورپ میں علم کے خزانے لائے۔ ان میں ریاضی،

سائنس اور طب قابل ذکر ہیں۔ (مسلمانوں نے ریاضی کا علم سیکھا اسے آگے بڑھایا) مسلمانوں کے زوال کے ساتھ۔ ان کی ایجادات یورپ والوں نے اپنے نام منتقل کر لیں۔ یورپ کا صنعتی انقلاب مسلمانوں کی سائنسی اور معاشی ترقی کا مرہون منت ہے لیکن یورپ والے یہ کیوں کہیں گے۔ یہ سب مسلمانوں کی بدولت ہے۔ لیکن ہم بھی تو اپنی تاریخ بھلا بیٹھے ہیں، ہم بھی تو سائنس اور ریاضی سے دور بھاگنے لگے، (ص: ۳۶-۳۷) فرانس کی حدود سے نکل کر جب ذکیہ حمید سپین کی حدود میں داخل ہوئیں تو فضا میں جس اپنائیت کا احساس ہوا اس کے بارے میں لکھتی ہیں :

.. بلندی سے آتی ٹھنڈی ہوائیں گدگدا رہی نہیں۔ یہ اس قوم کی سانسوں کی مہک ہے جس پر صدیوں قدرت کے انعامات کی بارش ہوتی رہی۔ صحرا سے ریت کے ذرے اڑے اور اسلام کی تجلیوں سے تابناک ہوئے۔ ان کی روشنی سے زمانہ چمک گیا اور یہ ذرے ہوا نے ہر سو روشنی کے لئے بکھیر دیئے۔ (ص: ۶۷-۶۸)

مصنفہ نے اگرچہ شہر کے باشندوں کے رہن سہن کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن انہیں رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ یہ ملک کبھی مسلمانوں کا تھا اور مسلمانوں نے اس خطے کو رشک جنت بنایا تھا لیکن اب وہاں مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا ہے۔ سپین کا یہ مختصر سفرنامہ پڑھ کر ہم یہ محسوس کرتے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مصنفہ نے جس طرح دیگر ممالک کی سیاحت کی اور اس کا دلچسپ حال بیان کیا ہے، اس طرح سپین کی سیاحت کا انہیں موقع نہیں مل سکا۔ لہذا وہ اس کی مفصل روداد بھی سپرد قلم نہیں کر سکیں ورنہ سپین کے سفرناموں میں ایک اچھے سفرنامے کا اضافہ ہو سکتا تھا۔

## دیگر مختصر سفرنامے

.. میڈرڈ کی ایک شام ، کے عنوان سے کیپٹن عابد ، پشاور کی ایک تحریر ماہنامہ عصمت کراچی کے جولائی نمبر ، جولائی ۱۹۵۸ء (ص ۱۵۳ - ۱۵۹) میں شائع ہوئی جسے رسالہ کی فہرست مضامین میں افسانہ بتایا گیا ہے جبکہ یہ سپین کے ایک شہر کا مختصر سفر نامہ ہے بریڈیئر گلزار احمد کا ایک مضمون .. مسجد قرطبہ کی عید .. کے عنوان سے آفاق دسمبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا جس میں انہوں نے تاثراتی انداز میں عید الفطر کی نماز ادا کرنے کا حال رقم کیا ہے۔

اگرچہ زیر نظر مضمون میں کوشش کی گئی ہے کہ اردو میں شائع شدہ سپین کے تمام مختصر یا مفصل سفرناموں کا تعارف پیش کیا جائے تاہم اس بات کا امکان ہے کہ اردو کے بعض اخبارات و رسائل میں شائع شدہ کوئی ایسا مضمون میری نظر سے اوجھل رہا ہو یا میرے علم میں نہ آسکا ہو جس کا موضوع سپین کی سیاحت ہو۔

سپین کے سفرناموں کے طائرانہ جائزے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے سیاحوں کو سپین سے خاص دلچسپی رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مقصود سفر میں کم و بیش یکسانیت نہیں رہی۔ بعض سیاحوں کا مقصد اسلامی آثار کی موجودہ حالت کا مشاہدہ تھا اور بعض کے نزدیک سپین کی موجودہ حالت اور اہل سپین پر مسلمانوں کے اثرات کا جائزہ سفر سپین کی غرض و غایت قرار پایا بعض مسافروں نے مشاہدے سے زیادہ تاریخ اندلس کے مطالعے پر توجہ مرکوز کی البتہ ایسے سفرنامے بھی ہیں جن میں سپین میں اسلام کی تجدید اور اسلامی تہذیب کے احیاء کی مساعی اور امکانات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی۔ بہر حال یہ تمام سفرنامے کسی نہ کسی پہلو

سے بہت مفید ہیں ، ان کی بدولت نہ صرف اردو ادب کا دامن مالا مال ہوا ہے بلکہ سپین کے اسلامی دور کے بارے میں آگاہی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ان سفرناموں کے مختصر تعارف سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جو لوگ قبل ازیں کسی نہ کسی سلسلے میں سپین کا سفر کر چکے ہیں اور کسی وجہ سے اپنے مشاہدات و تاثرات قلمبند نہیں کر سکے وہ بھی مختصر یا مفصل سفرنامہ لکھنے پر آمادہ ہو سکیں گے اور یہ امید بھی پیدا ہوتی ہے کہ ہمارے اہل قلم جہاں دیگر یورپی ممالک کی سیاحت سے شاد کام ہوتے ہیں اور سفرنامے لکھتے ہیں وہاں سپین کو بھی لائق اعتنا خیال کریں گے اور اپنے مشاہدات سفر میں دوسروں کو بھی شریک کرنے کی کوشش کریں گے۔

## مآخذ

( ا ) کتب :

- اشفاق احمد ، سفر مینا ، لاہور ، اپریل ۱۹۸۳ء۔  
 ذکیہ حمید ارشد ، سورج کے ساتھ ساتھ ، کراچی ، مکتبہ ہمزبان ، ستمبر ۱۹۸۸ء۔  
 سعید اختر درانی ، اقبال یورپ میں ، لاہور ، اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۸۵ء۔  
 لین بول ، مسلمان آندلس میں ، (ترجمہ : منشی سائد علی صدیقی ، ترتیب : تناء الحق صدیقی) ، کراچی ، ایچ ایم سعید کمپنی ، س - ن۔  
 محمد اقبال ، کلیات اقبال اردو ، لاہور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، مارچ ۱۹۸۲ء۔  
 محمد حمزہ فاروقی ، آج بھی اس دیس میں ، کراچی ، مکتبہ اسلوب ، ۱۹۸۲ء۔  
 محمد حمید اللہ ، ڈاکٹر ، خطبات پھولپور ، اسلام آباد ، ادارہ تحقیقات اسلامی ، ۱۹۸۵ء۔  
 محمد عمر علی خان ، نواب ، سفرنامہ آندلس مسمیٰ بہ قند مغربی ، کاتپور ، طبع نظامی ، جنوری ۱۹۱۵ء۔  
 مستنصر حسین تارڑ ، آندلس میں اجنبی ، لاہور ، التحریر ، ستمبر ۱۹۶۶ء۔  
 ولی محمد میر دبیر قاضی ، سفر نامہ آندلس ، لکھتہ ، نامی پریس ، ۱۹۲۴ء۔

( ب ) رسائل :

- آفاق ، دسمبر ۱۹۵۶ء۔  
 مجلہ اقبال ریویو ، لاہور ، جولائی تا اکتوبر ۱۹۶۶ء۔  
 ماہنامہ اردو ڈائجسٹ ، لاہور ، جولائی ۱۹۸۸ء ، اگست ۱۹۸۸ء ، دسمبر ۱۹۸۸ء۔  
 ماہنامہ عصمت ، کراچی ، جولائی ۱۹۵۸ء۔